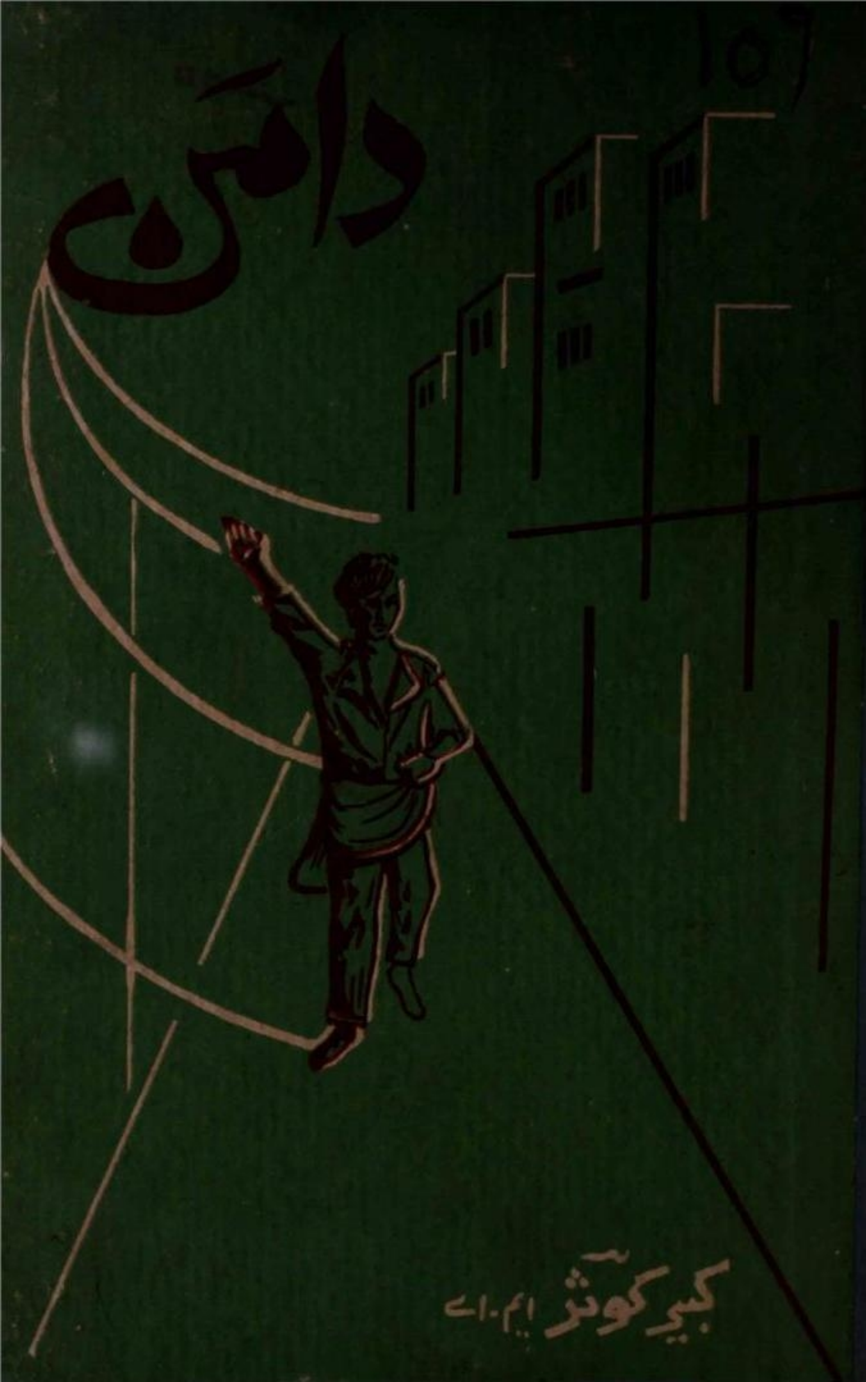
۱۰۹
دامن
کبیر کوثر ایم۔اے

دامن

کبیر کوثر

(جسے عالیجناب بناری لال نیشنل پیپر مارٹ جامع مسجد دہلی
کی قلبی وسعتوں نے جمالِ پیرہن بخشا ———)

تیری گردن میں یہ ہنسلی کی سلاسل تو کبھی
میرے ارمانوں کے پیکار کا حاصل نہ بنی
تیرے ہاتھوں میں یہ کنگن یہ طلائی زیور
تیرے جوشن میں چمکتا ہوا وزنی گوہر
تیری انگلی میں یہ سونے کی انگوٹھی جیسے
اک امر بیل جو انگور کی شاخوں پہ چڑھے
تیرے پاؤں میں یہ پازیب یہ اس کی جھنکار
تیرہ و تار ڈگر سے کسی راہی کی پکار!
تیرے لچھوں کے چھنکتے ہوئے گھنگھرو کے ستار
بن سکے جو نہ کبھی میری تمنّا کا قرار

(سونے کا چلن)

قلبِ گیتی سے نکالے ہوئے اس زر کا چلن
سینۂ ارضِ مقدّس پہ گراں بار کفن!
زخمِ گیتی سے نکالی ہے جو وہ پیپ ہے زر
قصرِ دانش نے کیا جس کو گھروں سے باہر

سحاب ارم پر چہکتی سی کویل! دم رقص کو وہ چھنکتی سی پایل
نگاہوں کو شبنم نے دھویا ہے اُس کی جبین وذرہ پر امنڈتے ہیں بادل
تہہ آب ڈوبا ہوا اک صدف وہ اُنسیوں کی مشکل کشائی میں پاگل

لبِ تشنگی کو مئے ناب جاری
کڑی دھوپ میں وہ مسافر کو چھاگل

رقیبوں کو اس میں شرارے ملیں گے
رفیقوں کو لیکن سہارے ملیں گے

جھڑیں گے تکلّم سے کچھ پھول اس کے
ترنّم میں گیتوں کے دھارے ملیں گے

اُفق پر تخیّل کے رقصاں، اتورا
تبسّم میں اس کے ستارے ملیں گے

چراغِ سرِ راہ تاریک شب میں
سفینوں کو اس میں کنارے ملیں گے

کوئی اس کی چشمِ حمیّت میں ڈوبے
شفق رنگ جس میں نظارے ملیں گے

نظرِ انتخاب نظر چوم لے گی -!!
جو کچھ دوست اس سے ہمارے ملیں گے
جگر چیر کر اس کا دیکھیں اگر ہم
تو کچھ غم ہمارے تمہارے ملیں گے

گلا اس کا سازوں کی، سرگم کی وینا
سخن کے دَہن میں فوارے ملیں گے
وہ اِک مرکزِ دلنوازی، جہاں پر
خلوص و محبت کے مارے ملیں گے

رہِ زندگی میں رفیقوں کی منزل !!
نشاط و طرب میں نہایا ہوا دل !!
گلابی سی بوتل پریشان دل کو !!
پپیہے کو "پی" ہے سفینے کو ساحل !

وہ ذرّوں میں صحرا کے لعلِ بدخشاں
ستاروں کے جھرمٹ میں اک ماہ کامل
مثالِ گلستاں، سراپا لطافت
کمالِ محبّت، جمالِ ملاحت

جنوں برخیز ماضی

(ایک منظوم کہانی)

فضا مرتعش تھی، ہوا میں تھی سردی — غرور آشنا تھی محبت کی بستی
وہ خاموش ننھے ندی کے کنارے — وہ گنجان آموں کے سایوں میں رستے
جبینِ سحر پر وُہ افشاں کی بارش — وہ کلکِ حقیقت کی طرزِ نگارش
وہ مغموم منظر، وہ غمناک عالم — وہ شبنم کے آنسو، وہ نمناک عالم
وہ شہرِ خموشاں کا جانکاہ منظر — وہ غم کا مرقّع، وہ عبرت کا پیکر
شہیدِ محبت جہاں سو رہی تھی — قیامت جہاں ہوش کو کھو رہی تھی
محبت کی دنیا جہاں رو رہی تھی — نشانِ زمان و مکاں دھو رہی تھی
خیالوں میں گم تھا چلا جا رہا تھا — مجھے کوئی رہ رہ کے یاد آ رہا تھا
یکایک نظر میں تھے میرے وہ منظر — وہ جس میں رہی آسرا میری بنکر

تصوّر میں شاعر پہ جلووں کی بارش
تخیّل میں شاعر پہ نغموں کی بارش

(۲)

جلیسِ محبت، انیسِ محبت — وہ مصرِ وفا کی رئیسِ محبت
وہ شیریں تکلّم، وہ میٹھی سی باتیں — شگفتہ تبسّم میں کچھ وارداتیں
وہ جوشِ جوانی، وُہ طوفانِ مستی — نگاہوں میں کوئی بلندی نہ پستی
بصد ناز گلشن میں کوئی خراماں — کبھی غنچہ در کف کبھی گل بداماں

گلوں کی لطافت پہ تنقید کرنا
وہ ہر بات پر اسکا تردید کرنا

وہ غصّہ سے اسکا بگڑ کر سنورنا
بہاروں کو بے کیف پاکر ابھرنا

کبھی چلتے چلتے مجھے گدگدانا
کبھی اس کا ہنستے ہوئے روٹھ جانا

وہ اس کا بگڑنا، وہ جورِ مسلسل
محبت جوانی کا دورِ مسلسل

وہ تاریک شب، ناصبوری کا عالم
خموشی میں نغمہ سرائی کا عالم

وہ خلوت میں سازِ تمنا کا عالم
نہاں خانۂ دل میں نغماتِ مبہم

تصور میں اس کی مقدس وفائیں
کبھی کچھ توجہ، کبھی کچھ جفائیں

صبیحہ کے حسن محبت کی سوگند
صبیحہ کے ناز و نزاکت کی سوگند

صبیحہ مرے عشق کی ابتدا تھی
صبیحہ مرے عشق کی انتہا تھی

مجسّم گلستاں سراپا ترنّم
جبیں پر مروّت، لبوں پر تبسم

ختن در دہانش، لبش لعل افشاں
خرامِ بہاراں، بہارِ خراماں

سحابِ رمیدہ کہ زلفش پریشاں
مسِ آخرِ شب بدوشِ بیاباں

صبیحہ کی سوگند، صبیحہ جبیں کو
نہ دیکھا نظر بھر کے حسنِ حسیں کو

فقط اک نظر میری اس پر پڑی تھی
تبھی سے محبت کی بارش ہوئی تھی

تبھی سے نہیں تھی ان آنکھوں میں طاقت
تبھی سے محبت ہے، اندھی محبت

میں مسحور اس کا ہوں ساحر تھی ایسی
میں ممنون اس کا ہوں شاعر تھی ایسی

(۳)

وہ عزلت میں رہ کر برابر دعائیں کہ یارب وہ خود آئیں مجکو منائیں
وہ مسجد میں آنسو بداماں دعائیں تلاشِ اثر میں پریشاں دعائیں
کبھی خود بگڑ کر خدا سے شکایت کہ دکھلائے مجکو وہ راہِ ہدایت
وہ فردوسِ عشرت، وہ دنیائے نگیں تخیّل میں تھا میرے یہ خواب رنگیں

اچانک یہ منظر نظر سے جدا تھا
کہ یہ واقعہ اک حسیں خواب سا تھا

(۴)

صبیحہ کی وہ لطف آمیز باتیں وہ رنگین دن، وہ ضیابار راتیں
توجہ سے اس کی تغافل درخشاں تغافل سے اس کے توجہ پریشاں
وہ ماضی کے لمحے، وہ غم کے فسانے محبت میں گذرے ہوئے وہ زمانے

چمن میں کلی مسکرائے گی جب تک
مجھے یاد ان کی رلائے گی جب تک

(۵)

اگر میں نے اسکو نہ پایا تو کیا ہے سنا ہے یہ میں نے محبت خدا ہے

محبت کی معراج ظلموں کا سہنا
محبت کا حاصل جدائی میں رہنا

یوسفِ ادراک

اک ہاتھ سے تھامے ہوئے وہ گردشِ افلاک
بازار میں نکلا ہے پھر اک یوسفِ ادراک
دامن میں لئے نور، گریبان کئے چاک
دلدار، قلمکار، مگر بے خس و خاشاک

کبیر کوثر کا کلام آپ کے سامنے ہے آپ ہی اس کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھ سکتے ہیں میں یہاں صرف اس کے کیرکٹر کی خوبیوں کی اجمالی تفسیر پیش کرنا چاہتا ہوں، برائیوں کو اس لئے نظر انداز کرتا ہوں کہ کوئی بھی اُن سے پاک نہیں، پھر ان کو اس اسٹیج پر بیان کرنا جبکہ وہ چالیس سال پرانی ہو چکی ہیں یہاں غیر افادی ہوگا۔ ۱۹۲۳ء میں بھوپال کی سرزمین پر پیدا ہونے والا یہ شاعر اپنی دوستداری اور ذہانت کیلئے بچپن سے ہی ہر سوسائٹی میں مقبول ہے۔ شاہجہانی ماڈل اسکول میں دو سال تک وہ "گوہرِ تعلیم" کا مدیرِ اعلیٰ رہا۔ ہاکی، فٹ بال، کرکٹ کا یہ دلدادہ، ڈیک ٹینس کا جنرل کیپٹن رہا۔ اور اسکول کے تمغہ ہائے امتیازی سے دو سال تک، [illegible] والدین میں سرفراز کیا گیا۔ ہائی اسکول کے بعد چھتر پور کالج سے ۱۹۴۱ء میں انٹر کیا۔ کالج کی تمام فرسٹ الیونز میں ہونے کے باعث اُس نے بہت سے ٹور کئے۔ کالج کی پارلیمنٹ کے روحِ رواں ہونے کے ساتھ ساتھ شطرنج کیرم اور برجستہ تقاریر کے انعامی مقابلوں میں پہلے انعام حاصل کئے۔ کالج کے بعد نواب صاحب بھوپال کے صرفِ خاص میں رہا۔ سیکڑوں مضامین، منظومات، افسانے لکھے اور صبحِ امید بمبئی کا مدیرِ اعزازی اور ہفت روزہ کمال بھوپال کا نگراں خصوصی رہا۔ انضمامِ ریاست کے بعد پھر پڑھائی شروع کی۔ چار پانچ بچوں کی کفالت، لاتعداد دوستوں کی رفاقت، اور دس سے پانچ کی ملازمت کے باوجود حمیدیہ کالج بھوپال سے تاریخ میں ایم اے کیا۔ اس کے ہمیشہ بے شمار دوست رہے ہیں۔ اس دوران

میں فخر الدین قیصر، حبیب الرحمان، سراج الدین انصاری، احسن علیخاں احسن۔ کامریڈ متھرا پرشاد، حبیب فخری، محمد حسین صاحب جیسے مختلف الخیال لوگوں سے خاص دوستی رہی۔ اس کی محبت اور رفاقت سے متاثر ہونے کا ایک معمولی سا واقعہ جناب سجاد حسین صاحب کے صاحبزادے کی وہ رفاقت تھی جسے موصوف نے عرصہ دراز تک اسے گھر سے کالج اور کالج سے دفتر تک اپنی گاڑی میں چھوڑنے کی صورت میں ظاہر کیا۔ اور عبدالحسین صاحب کی اس محبت کو فراموش کرنا انسانیت کے بس سے باہر ہے چھتر پور کے دوران تعلیم میں انعام اللہ خاں اندوری اور سید عبدالہادی رفعت نے ہر گام پر اس کا ساتھ دیا جسکا آج کی مادہ پرست دنیا میں فقدان ہے۔ اس کے دوستوں میں ہر نکتہ ہم خیال کے لوگ ہیں۔ سیاسی، شاعر، ادیب، ترقی پسند، رجعت پرست، تاجر، فارغ البال اور محتاج۔ وہ سب سے محبت کرتا ہے اور سب کے جذبات رفاقت سے انصاف کرتا ہے، گھر والوں دوستوں اور بھوپال سے اسے والہانہ لگاؤ ہے۔ اپنی کم مائگی کے باوجود انیس لائبریری بھوپال کا یہ بانی ہزاروں کتابوں، فرنیچر کے علاوہ لائبریری کو اپنے نو تعمیر مکان کا ایک اچھا حصہ دے چکا ہے، جہاں سے روشنی کے فوارے اڑ کر تاریکیوں کے منہ لال کر رہے ہیں۔ آج کل نیشنل آرکائوز میں تاریخی کتابوں کی تدوین و تالیف پر مامور ہے۔ بھوپال میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق دو کتابوں کی انگریزی زبان میں ترتیب و تدوین کا اسے فخر حاصل ہے ۲۴ گھنٹوں میں ۱۶ گھنٹے وہ مصروف رہتا ہے۔ بقول قدوس صہبائی اس کا چین سے بیٹھنا دشوار ہے۔

کبیر کوثر کوئی نیا شاعر اور ادیب نہیں ہے، اس کا کلام ہندوستان کے مشہور رسائل اور اخبارات کی زینت بن چکا ہے، تقسیم کے مابعد معاشی تگ و دو نے اس کے قلم کو جام کر دیا تھا، لیکن دلی میں چند بے مثال شخصیتوں نے جن میں مرحوم حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کے نواسے باقر حسین خانصاحب، بیگم میمونہ سلطان ایم پی۔ پریم سکینہ بنارسی لال جی بھی ہیں۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا کے اردو انعامی مشاعروں میں لگاتار دو سال تک حاصل کئے جانے والے پہلے انعامات بھی ہیں جنہیں جناب جی ڈی گپتا انڈر سکریٹری

وزارت داخلہ نے عطا فرما کر اس کے ادبی شوق کو پھر سے زندہ کر دیا "نیشنل آرکائیوز" "میری محبوب" "سپاہی" جیسی افادی اور غیر تقلیدی تخلیق کرنے والا فنکار اگر ملازمانی زنجیروں کو توڑ کر یکسوئی سے اس جانب دھیان دے تو نہ صرف اردو ادب بلکہ ہندوستان کے معاشی نظام کو اس کے قلم کی افادی جنبشوں کی ایک تاریخ لکھنا ہوگی

مجھے ایسی اولاد پر فخر ہے جس کے تمام دوست اس امر پر متفق ہیں کہ وہ بے غرض، سادہ لوح، جفاکش اور سدا بہار انسان ہے۔

عبدالقدیر آزاد مصنف فلسفۂ ہستی وغیرہ
(سابق مدیر زرنگار بھوپال)

محبت، اخوت اور رجائیت کے سمندر سے رولے ہوئے یہ بیش بہا موتی "دامن" میں اکٹھا ہو کر قنوطیت پسندوں کی جمودی کیفیات میں حوصلوں اور شادابیوں کے طوفان برپا کریں گے۔ "میری محبوب" اور "نیشنل آرکائیوز" لکھ کر کبیر کوثر صاحب نے شاعری کو حقیقت کی سرحدوں سے ملا دیا ہے

ڈاکٹر دیال داس (لکھنوی) بی۔ اے (آنرز)
ایم۔ اے ایل ایل بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
یکم جولائی سنہ ۱۹۶۳ء

دامن سب رنگ

(خوشی رام پروانہ (کانگڑہ دیلی)

"حدیث دل" "نکات سرفرازی" میں "بنارس" ہے
نئی فکریں نئے انداز سے شعروں میں ڈھلتی ہیں
یہ وہ سب رنگ دامن ہے کہ جس پر شاعری نازاں
اخوت کی جہاں راہیں نئے عرفاں سے ملتی ہیں

نواب صاحب محمد گڑھ کے تاثرات

نشانِ ریاست

محمد گڑھ ہاؤس، امیر گنج - بھوپال -
مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء

عزیزم کبیر میاں صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ معہ فیملی کے بخیر و عافیت ہوں گے - آپ کا انتہائی پرخلوص منظوم مکتوب (مورخہ ۲۴ فروری ۶۳ء) مجھکو اسی دوران میں مل گیا تھا جس کے لئے تہہ دل سے مشکور ہوں - جواب تقریباً پونے دو ماہ بعد لکھ رہا ہوں - اور اپنی اس کوتاہی پر شرمندہ بھی ہوں اور خواستگار معافی بھی - اس بار بیماریوں سے بہت پریشان رہا۔

آپ کی نظم تعریف سے بالاتر ہے - اور آپکی شاعری و سخن گوئی کی صلاحیت ماشاء اللہ بحد بلند ہے - آپ اس میدان میں بھوپال کے نام کو چار چاند لگا سکتے ہیں یہاں بھوپال میں بے شمار شاعر ہیں، لیکن آپ جیسی صلاحیت بس چند مسلّمہ استادوں میں ہی ہوگی - آپ اگر اس جانب زیادہ توجہ اور وقت دیں تو منفرد مقام حاصل کر سکتے ہیں - یہ کمال نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک مخصوص بحر اور ردیف و قافیہ میں قلم برداشتہ ایک طویل خط لکھ ڈالا - اور اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جس کو بھرتی کا شعر قرار دیا جا سکے - اچھے اچھے استادوں کی طویل غزلیں یا نظمیں بھرتی کے اشعار سے بھری ہوئی ہوتی ہیں - البتہ آپ کے اس منظوم مکتوب میں ایک حقیقی لغزش ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ایک بے علم اور بے عمل آدمی کو ایک مثالی انسان کے روپ میں پیش کر دیا ہے - یہ آپ کے حسنِ ظن اور فرطِ محبت کا نتیجہ ہے - ورنہ اس ناکارہ بندہ میں جذبات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے - اپنی فطری اور اکتسابی کمزوریوں (اور یہ عذر خالق و مخلوق دونوں ہی کے لئے قابل قبول کیونکر ہو سکتا ہے صرف اس کے دامانِ عفو و درگذر میں ہی پناہ مل سکتی ہے) کے باعث آج تک کوئی کام

بھی تو ایسا انجام نہیں دیا ہے کہ مالکِ حقیقی کے سامنے سرخروئی کی امید کیجا سکے۔ آپ کے لطف و خلوص سے امیدوار ہوں کہ اس عبد حقیر کے لئے بارگاہ غفور الرحیم میں عفو و درگذر اور توفیقِ نیک کے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلوص و محبت کا آپ کو بہترین اجر عطا فرمائیں۔ آمین۔

ہم سب کی جانب سے آپ سب کی خدمت میں سلام مسنون، بچوں کو دعائیں جے ایس بٹھناگر، مسٹر جمیل احمد چشتی اور شری کرشن لال صاحب اور راے بہت بہت سلام عرض کیجئے گا

خلوص کیش (ہز ہائی نس نواب) محمد صابر قلی خاں صابر

دامنِ سکون

(محمد ظفر گلشن ۔ نجیب آبادی)

ترے دامن میں شورش ہی سکوں ہے
ترے دامن میں احوالِ زبوں ہے

ترے دامن میں گلہائے تمنا
ترے دامن میں آتش ہے فسوں ہے

ترے دامن میں عارض کی لطافت
ترے دامن میں الفت کا جنوں ہے

ترے دامن میں دل کی دھڑکنیں ہیں
ترے دامن میں ارمانوں کا خوں ہے

ترے دامن پہ نازاں اہلِ دانش
ترے دامن میں وہ سوزِ دروں ہے

ترے دامن میں پنہاں فکرِ فردا
ترے دامن میں اک جوشِ جنوں ہے

ترے دامن میں گنگا کی روانی
ترے دامن میں کوثر کا سکوں ہے

ترے دامن میں گلشن کے نظارے
ترے دامن کا ہر منظر فسوں ہے

جس کو دھرتی بھی حقارت سے اُگا لے، پھینکے
تو نے اس اُگلی ہوئی شے کو لگایا منہ سے
آج بھی سینۂ آفاق پہ سونے کا چلن!
کتنی معصوم اُمیدوں پہ اُداسی کا کفن!
آج بھی کوئی اُڑا لیتا ہے گُل سے خوشبو
آج بھی چشمِ تمنّا سے نکلتا ہے لہو!!
دستِ گلچیں میں سسکتے ہوئے گدرائے اَنار
تیشۂ زر سے پریشاں غمِ انساں کے چنار
آج بھی مجلسِ انصاف میں سونے کا دیا
اپنی تاریکیٔ شب کا تو اُجالا نہ بنا
تشنگی، بھوک ہے سونے کی محبّت کا صِلا
ایک بے حِس کبھی ذی حِس کا مداوا نہ بنا
مدّتوں بعد مگر زر کے یہ تانے بانے
ٹکڑے ٹکڑے ہوئے زنجیرِ غلامی جیسے
قلبِ گجرات سے سورج کی کرن نکلی ہے
ایک ڈِریسائی کے ماتھے سے شفق پھوٹی ہے

کبیر بھائی

فضل تابش بی اے

کبیر بھائی کی اُبھری اُبھری اور بار بار نئے نئے روپ دھارتی ہوئی آنکھیں انکی شخصیت کو واضح کرتی ہیں۔ کبھی جب وہ خالص بھوپالی لہجے میں بے تکلف نشست میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوں تو ان پر ناگفتہ بہ الزام لگائے جا سکتے ہیں۔ جب وہ کسی سنجیدہ مسئلہ پر پاکیزہ انداز میں بحث کر رہے ہوں تو ان پر کسی اسکالر کا شبہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی کے غم میں گھل رہے ہوں تو گمان ہوتا ہے کہ یسوع کی روح ان کے جسم میں سرایت کر گئی ہے۔ اور جب دفتر میں کام کر رہے ہوں تو خیال آتا ہے وہ کلرک ہی پیدا ہوئے ہیں اور کلرک ہی مرینگے۔ ان کی پہنچ منشی لال چپراسی سے لیکر یو این او کے پریسیڈنٹ تک اور فضل تابش سے لیکر ڈاکٹر معین احسن جذبی تک ہے "ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا" کی گردان کرتے نظر آتے ہیں۔

انہوں نے "ہوا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا" سے لیکر "پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں" تک کے دور تو نہیں دیکھے لیکن زندگی کے سفر میں تنگ و تاریک راہوں سے کبھی کبھی بے یار و مددگار گذرنا ہی پڑتا ہے اور اس الٹ پھیر میں بھی ان پر "ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے" والی بات صادق رہی۔

ان کی دو بڑی کمزوریاں ہیں جن سے دوسروں کو کم اور خود ان کو زیادہ اذیت پہونچتی رہی ہے۔ دوسروں کے عیوب منہ پر چاہے قبلہ ہوں یا برخوردار صاف کہہ ڈالینگے لیکن کتاب کی طرح صاف دل اور حق گو۔ ان سے مستقل کوئی ناراض نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ایک پہلو پر سب متفق ہیں کہ وہ دل کے برے نہیں ہیں۔

لیکن برا ہوا اس دوسری کمزوری کا جس کے ہاتھوں انہیں جانی واکر کا ایک پیگ تو دور کی بات ہے کالے پھول کا بنڈل بھی ادھار لینا پڑ جاتا ہے۔ اگر کوئی ان سے پیسے

مانگنے آئے اور وہ مفلس ہوں تو پھر لوگ کسی دکان سے جوتے یا اور کوئی سامان ان کے کھاتے میں لیکر دوسروں کو بیچ کر کام چلاتے ہیں۔ وہ تو کسی کو سوجھی نہیں یا لوگوں کو رحم آ گیا۔ ورنہ یہ مجموعہ کلام چھپنے چھپانے کی نوبت نہ آتی۔ اگر کوئی ان سے مانگ لیتا، پھر یہ ہاتھ جھاڑ کے الگ کھڑے ہو جاتے۔ گھر والوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اور بھوپال والوں پر جان دیتے ہیں۔

کبیر کوثر سب کا شاعر ہے۔ اس کے نزدیک خصوصی قدروں کا پرچار شاعرانہ جذبات کا قتل ہے۔ شاعر کی محبت عالمگیر اور آفاقی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "بنارس" "وداعِ شام" "میری محبوب" اور "نکاتِ سرفرازی" میں اس کی محبتوں کا بہایا ہوا بحرِ افکار سب ہی کناروں کو چومتا ہے۔

ڈاکٹر وائی۔ بی۔ ماتھر ایم، اے، پی، ایچ، ڈی۔
نیشنل آرکائیوز آف انڈیا۔ نئی دہلی۔ ۶۳-۷-۲

"نیشنل آرکائیوز" "میری محبوب" اور نکاتِ سرفرازی جیسے اچھوتے فن کی تخلیق کرنیوالا شاعر کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ نظمیں ہیں جن کا بھارت کی ہر زبان میں ترجمہ ہونا چاہئے نئی تکنیک، نئے خیالات، نئے تجربات کا یہ خزانہ جب دامن کے روپ میں لوگوں تک پہونچے گا تو اس کی فنکارانہ صلاحیتوں کے اعتراف سے بھارت کا کونہ کونہ گونج اٹھے گا۔ یہ نظمیں ان لہروں کی طرح ہیں۔ جن میں روانی ہے۔ ایسی روانی کہ انسان کے دلوں میں۔ بھاؤناؤں میں روانی آئے بنا نہیں رہ سکتی۔

(ڈاکٹر) چندر بھان پانڈے، ایم اے، پی ایچ، ڈی۔
مصنف تاریخ "اندھر ساتواہن سامراج"
یکم جولائی ۱۹۶۳ء

روزنامہ ندیم بھوپال کے ایڈیٹر عالیجناب محمود الحسینی کے چند خطوط کے اقتباسات

حسینی ہاؤس۔
۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء

صدیقِ مکرم

گرامی نامہ نے وارد مسعود ہو کر وہی معاملہ کیا جو پیراہن یوسفؑ نے دیدۂ یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔ منافقت، خود غرضی اور مفاداتی تعلقات کے اس دور میں آپ جیسے بے لوث اور مخلص انسان کی دوستی کا شرف کم کیف آور نہیں ہے ......"

برادرم کبیر کوثر صاحب ــــ تسلیم و نیاز

"...... محض بناوٹ نہیں۔ نہ جانے کیوں مجھے آپ کی شخصیت سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ جن لوگوں سے ملکر طبیعت انشراح محسوس کرتی ہے۔ ان معدودِ چند لوگوں میں ایک آپ بھی ہیں .... (۱۹-۶-۶۱)"

"...... آپ کی شخصیت اتنی دل آویز اور "پراسرار" ہے کہ بعض اوقات "خیرہ چشمی" کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے احباب کی ترقیوں سے ہمیشہ دلی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ خدا کرے آپ کی شخصیت اور قد آور ہو جائے ...... (۲۵-۳-۶۲)"

"آپ کا نوازش نامہ نظر نواز ہوا۔ بہت دیر تک ناقابل اظہار کیفیت طاری رہی۔ یہ محض لفاظی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ آپ کی چمکیلی صلاحیتوں پر مجھے "رشک"

آتا ہے۔ اور اکثر سوچا کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے ایسی شخصیت اور اہلیت عطا کی ہوتی تو صحافی دنیا سے اپنا لوہا منوا لیتا۔ اور یہی جذبہ تھا کہ میں نے بار بار آپ سے اصرار کے ساتھ یہ بات کہی کہ کوئی قلمی نام تجویز کر کے اپنی شعری اور ادبی استعداد کے ساتھ انصاف کیجیے.........(۱۵-۵-۶۲)۔"

کمزوریوں کا مرقع

کبیر کوثر۔ پہلے شاعر، پھر ادیب اور اب امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں "ترقی پسند افسانہ نگار" کچھ دن پہلے اسکول اور کالج کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اب "احادیث دفتر" کی تفسیر فرمایا کرتے ہیں۔ پہلے بالکل نہیں تھے لیکن اب بحد کثیر الاحباب ہیں۔ ہوٹلوں کی بجائے اور بازاری پانوں سے خاص دلچسپی ہے۔ کھانا البتہ گھر پر ہی کھا لیتے ہیں۔ لیکن بلا شرکتِ غیرے۔ ہاکی کھیلتے کھیلتے افسانہ لکھنے پر اتر آئے ہیں۔ لیکن تلوّن کا دامن نہیں چھوڑا۔ انسانی کمزوریوں کا عمدہ مرقع ہیں۔ لیکن خوش ہیں کہ:

خدا نے خوب کیا مجکو خوب رو ہی کیا

پیشِ نظر افسانہ آپ کا پہلا شاہکار نہیں ہے۔ اور اگر مزاج سیماب آسا نہ ہوتا تو مستقبل کے متعلق خیال آرائی بھی کیجا سکتی تھی۔ لیکن کسے معلوم کہ افسانہ لکھتے لکھتے لکڑیاں بیچنا شروع کر دیں۔ بہر حال۔ خدا خوش رکھے عجب آزاد مرد ہے۔

جوہر قریشی (مرحوم)

(ہفت روزہ گلفروش دہلی۔ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۴۵ء)

مژدہ!

گوشِ مشتاق میں نہ پہونچی تھی　　مدتوں سے شگفتِ گُل کی خبر
مژدہ اے ساکنانِ صحنِ چمن　　سر سرا آتا ہے "دامنِ" کوثر

قاسم نیازی بی۔ اے

کوثرؔ کے "دامن" میں اشعار کیا ہیں گویا گوہر بیش بہا کا ایک انبار موجود ہے۔ گولڈ کنٹرول کے فوائد پر منظوم تبصرہ اردو ادب کی دنیا میں ایک نیا قدم ہے۔ نظموں کی زبان پاک صاف ہے اور بالکل سلیس ہے۔ فارسی الفاظ و تراکیب کہیں کہیں ہیں بھی تو نزاکت و لوچ بدستور قائم ہیں۔ سوز و گداز و اچھوتے تشبیہات و استعارات نے "دامن" کے منظوم گوہروں میں ایک نئی آب بخش دی ہے۔ سادگی وکیف سے بھرپور اشعار دردمند طبیعت و مزاجِ عاشقانہ کا پتہ دیتے ہیں نیشنل آرکائیوز پر جو نظم لکھی گئی ہے وہ اپنی نوع کی انوکھی ہے۔

راجہ رام اگروال ایم اے (تاریخ) ایم، اے (فارسی)

بھوپال کی سرسبز وادیوں، گنگناتے ہوئے آبشاروں، شفاف جھیلوں اور صحت بخش پہاڑوں میں پل کر جوان ہونے والا یہ فنکار اپنے دامن میں زرکی طلسمی زنجیروں کو توڑ کر ان کے ریزے ریزے جمع کرکے لایا ہے۔ اور ان زرّیں ریزوں سے وہ درسگاہوں، ہسپتالوں، انجینیرنگ کالجوں، جدید ٹکنالوجی، ریلوں، کھیتوں، جہازوں کو وہ نور ودیعت کرنا چاہتا ہے جو انسان کی صحت مند زندگی میں مسرت کے خمار اور اخوت کے سرور بھر دے۔

یہ جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ سرحدی خطروں اور مسئلہ زر پر کبیر کوثر نے سب سے پہلے قلم اٹھا کر اردو ادب کی وسعتوں میں اضافہ کیا۔

چودھری ثروت علی ایم۔ اے
نیشنل آرکائوز آف انڈیا۔ نئی دلی

۲ر جولائی ۱۹۶۳ء

دامنِ کوثر

(رضا امروہوی)

لاکھ اشکوں کی روانی دامنِ کوثر میں ہے
اور نشاطِ شادمانی دامنِ کوثر میں ہے

نقشِ معانی صورتِ الفاظ میں ڈھل کر رہے
فکرِ شیرازو قاآنی دامنِ کوثر میں ہے

اک پیامِ دلنشیں ہے اہلِ دانش کیلئے
اہلِ دل کی ترجمانی دامنِ کوثر میں ہے

زخمِ دل زخمِ تمنا و جنوں کے ساتھ ساتھ
اک جمالِ زندگانی دامنِ کوثر میں ہے

دانش و حکمت کی موجیں خیر مقدم کو اٹھیں
کس قیامت کی روانی دامنِ کوثر میں ہے

کچھ حقائق، کچھ فسانے کیفیاتِ شوق کے
یاس و حرماں کی کہانی دامنِ کوثر میں ہے

اے اسیرِ زلفِ جاناں، اے فدائے رنگ و بو
زلف و عارض کی جوانی دامنِ کوثر میں ہے

ذکرِ محرومی کہیں ہے اور کہیں امید و بیم
اور ہجومِ کامرانی دامنِ کوثر میں ہے

طنز کے نشتر ہیں احساس و نظر کی راہ میں
اک زبانِ بے زبانی دامنِ کوثر میں ہے

مختصر یہ ہے رضا اہلِ جنوں کے واسطے
آگہی کی ضو فشانی دامنِ کوثر میں ہے

دامنِ بربط

بہاریں رقص فرما ہیں ترے دامن کے بربط پر
نئے کچھ راگ الفت کے نئی دھن میں نکلتے ہیں

ترے شعروں میں کوثر ہے روانی موجِ گنگا کی
ترے دامن کے دھاگوں سے ہزاروں چاک سلتے ہیں

(خورشید حسن شیدا رامپوری)

رنگِ دامن

مستیاں ہیں، بے خودی ہے، نکہتِ گلزار ہے
انعکاسِ رنگِ عارض، بوئے زلفِ یار ہے

شام کے پر کیف منظر، صبح کی بیداریاں
چاندنی کے نرم سایے رات کی سرشاریاں

آرزوئے اہلِ گلشن، گلستانِ رنگ و بو
صحنِ گلشن میں گلوں سے بلبلوں کی گفتگو

نغمۂ دیر و حرم ہے اک نئے انداز میں
یعنی اک سوزِ نفس ہے زندگی کے ساز میں

تلخیاں ہیں، شورشیں ہیں، درد ہے، آزار ہے
چشم و دل کے درمیاں اک شعلۂ بیکار ہے

قوتِ پرواز ہے، عزم و یقیں ہے، فکر ہے
راہِ منزل کے ہزاروں پیچ و خم کا ذکر ہے

رنگِ دامن سے چھلکتا ہے فراغِ زندگی
دامنِ کوثر میں روشن ہے چراغِ زندگی

روشن لال روشن کھیوا جی
نیشنل میوزیم آف انڈیا۔ نئی دلی

خزانۂ معانی

مرے کوثر ترا دامن خزانہ ہے معانی کا
ترے اشعار پر اربابِ حکمت ناز کرتے ہیں

ترے دامن میں وہ سوغاتِ ہستی جلوہ آرا ہے
کہ جس پر اہلِ دل اہلِ محبت ناز کرتے ہیں

عظیم عصری بھوپالی (منڈلا)

عرضِ ناشر

"شکستِ باطل" کے بعد داَمن کبیر کوثر کا دوسرا مجموعہ اور مکتبۂ انیسِ ادب بھوپال کی دوسری پیش کش آپ کے سامنے ہے۔ داَمن میں شاعرانہ خصوصیات کے علاوہ چند اور خوبیاں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ داَمن کتابت کی غلطیوں سے پاک ہے گرانی کے اس دور میں کاغذ کے استعمال میں حتی الوسع کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے۔ قارئین کی اپنی پسند میں مداخلت نہ کرتے ہوئے کسی بڑے ناقد کا سفارشی تبصرہ اس لئے بھی شامل نہیں کیا گیا ہے کہ سب سے عظیم نقاد قارئین ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم آپ کے مشوروں کے محتاج ہیں۔ آپ کی تجاویز کا مکتبہ میں خیر مقدم کیا جائے گا اور آئندہ مطبوعات میں اُن پر عمل کرنے کی کوشش کی جائیگی برادرم سلیم اختر۔ جنرل سکریٹری انیس لائبریری۔ آزاد منزل بھوپال اور بھائی محمد ارشاد نجیب آبادی نیشنل میوزیم آف انڈیا نئی دلّی کا خصوصی شکریہ کہ انہوں نے طباعت کے دوران اپنا بیش قیمت وقت مکتبہ کی مطبوعات کیلئے صرف کیا۔

انیس اختر۔ بی۔ اے

(نگراں) مکتبہ انیس ادب۔

آزاد منزل۔ رفیقیہ اسکول روڈ بھوپال

تخلص بھوپالی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ، پاندان والی خالہ، اور شیطان جاگ اٹھا عبدالقدیر صاحب آزاد کی فلسفۂ ہستی، رہبر اطفال اور کبیر کوثر کی شکستِ باطل ہم سے طلب فرمائیے

(اندھیروں سے اُجالے)

میری محبوب! مرے سینۂ مہتاب کے داغ
تیری آنکھوں سے چمکتے ہیں مسرّت کے چراغ
میرے سینہ میں دمکتا ہے ترے رُخ کا قمر
دل کی رگ رگ نے بجایا ہے تیرے غم کا گجر
عہدِ ماضی کی روایات کے دھندلے سائے
آج تک سینۂ آفاق پہ اِک داغ رہے
اِن اندھیروں میں، دھندلکوں میں طلائی زیور
عہدِ ماضی کے بیاباں میں ہیں بوسیدہ کھنڈر
اِن اندھیروں کو اجالوں سے بدلنا ہے تجھے
اپنے اَسلاف کی قدروں کو پرکھنا ہے تجھے

(تاریخِ انسان)

اپنے اَسلاف کی خاموش بغاوت کی قسم
راہِ انصاف میں بے مثل شجاعت کی قسم

اُن میں خسرو ہی نہیں قیس بھی فرہاد بھی تھے
وقت کی چال سے کچھ شاد بھی ناشاد بھی تھے
اپنے اسلاف نے تینوں کو لگایا سر سے
آج تاریخ کے اوراق ہیں شاہد جس کے
جبر کی، زور کی، انکار کی تاریخ گواہ
ظلم کی، جور کی، تلوار کی تاریخ گواہ
ہم نے ہر دور میں منصور کئے ہیں پیدا
ہم نے ہر دور کو کمخواب محبت بخشا
ہم نے یونان میں زہر آب لگایا مُنہ سے
جبر کا، قہر کا تابوت اٹھانے کے لئے
صرف خسرو کی صداقت کی حمایت کو کبھی
تیغ، ارجن نے جہانگیر کی گھایل کردی
ہم نے سیزر کے کلیجے میں چھُرے بھونک دئے
عزم شاہی کو مقابر میں سُلانے کے لئے
ایک یورپ کے قلمکار پہ جو رنگ چڑھا
اُس نے اِلزام برُوٹس کی وفاؤں کو دیا!

ہم نے ڈالا ہے اُخوت کی انگیٹھی میں لہُو
شانۂ جہد سے سلجھائے زمیں کے گیسو
ہم نے ہر سال دسہرے میں اڑائے ہیں شرار
ہم نے ہر سال محرّم پہ بنائے ہیں مزار
ذہن میں جبر کی نفرت کو بڑھانے کے لئے
رُخِ گیتی پہ بشاشت کے اضافے کے لئے
ہم نے ہر گام تشدّد کا یہ سیلابِ بلا
اپنے سینے کے پہاڑوں کے پُلوں سے روکا
قلبِ صحرا پہ ابھی تک ہے تموّز کا خنجر
جہدِ انساں کے عزائم کا اِفادی منظر
آج بھی خِضر ہیں بھٹکے ہوئے راہی کی نجات
یہ نتیجہ جہل سے انسان کو دیتے ہیں برات
دستِ گاندھی نے اہِمسا کی چلائی شمشیر
شب کے ماتھے پہ ہے آزاد کی روشن تحریر
ہم نے اِک امن کی پوشاک جہاں کو بخشی
ہم نے ہر آن اُخوت کی نفیری پھونکی

آج بھی چین کی بنسی سے صدا آتی ہے
ارضِ گجرات سے جیون کی ہوا آتی ہے
ہم نے توڑی ہے غلامی کی ہر اک شوزنجیر
رات کے ذہن میں گونجی ہے سحر کی تکبیر

(نیا دور، نئے تقاضے)

آج کا جوہر نیا، فکر نئی، عزم نیا،
ارتقا ذہن کا، تعمیر کا میدان بنا
کربلا آج مگر راہِ طلب میں موجود
تشنگی عِلم کی ذِہنوں کا مٹاتی ہے وجود
عِلم کے کوچہ و بازار میں فرہاد ملے
ریگِ انکار کے ہر موڑ پہ کچھ قیس رکے
تونے جس زر کو کلیجے سے لگایا اپنے
وہ کوئے درس میں نِکلے تو کوئی بات بنے
یہ پہنچتی ہوئی آہیں، یہ مریضوں کی کراہ
سینکڑوں صدیوں سے مجبور و پریشان نِگاہ

یہ سلگتے ہوئے اجسام، یہ دکھیوں کی ندا
درد کی، کرب کی، چیخوں کی، کراہوں کی صدا
ضبطِ غم کا جنہیں ابتک تو مداوا نہ ملا
ایک امرت بھری آنکھوں کا پیالا نہ ملا
آج مزدور کے ماتھے پہ زمرّد کے چراغ
چشم سے جس کی نمایاں ہیں مشقّت کے سُراغ
جس نے آلات سے باندھا ہے عمل کا پیماں
جس کی سانسوں سے نکلتا ہے مشینوں کا دھواں
جسکی محنت کے پسینوں کو نتیجہ یہ ملا
ان گنت سالوں میں سلطان کا اِک "تاج" بنا
جس کی آنکھوں سے چھلکتا ہے اُخوت کا یقین
ہے تہی دست، پریشان، اُداس و غمگیں
آج فنکار کی کاغذ پہ مچلتی ہوئی لاش !!
زندگی جسکی مگر عزم و یقیں، جہد و تلاش
جس نے پھینکی ہے ثریا کے چراغوں پہ کمند
سینکڑوں صدیوں سے زنجیرِ وفا کا پابند

آج اپنے ہی خیالوں کا لہو پیتا ہے !
مقصدِ زیست کی منزل سے دھواں اُٹھتا ہے
آج جلتی ہوئی راہوں پہ برہنہ بچے !
قصرِ افکار پہ دستک ہیں قباؤں کے لئے
ارضِ بھارت پہ یہ فردا کی سراؤں کے مکیں
چند کھدر کی رداؤں کے سزاوار نہیں
کتنے کھیتوں کی یہ ویران، پریشاں نظریں
منتظر تخم کی، اِک کوہِ گراں بار سی ہیں
دُھوپ میں، بھوک سے بے چین زمینیں بیجاں
جن کی آہوں کا دھواں آج فضائیں بفضا ہیں
جن کی زُلفوں پہ جواں سال ہلوں کے شانے
کتنے بے تاب ہیں گندم کو سجانے کے لئے
اِن شفق رنگ اناروں کی نمائش کے لئے
اپنے تابندہ گلابوں کی ستائش کے لئے
تو نے زردار کو لالچ کے بھنور میں چھوڑا
جس نے انسان کی تقدیر کا ماتھا پھوڑا

کشتیٔ جہد کی پینڈی میں چھرا بھونک دیا
غنچۂ حرص نے آتش میں چمن جھونک دیا

کتنی راہوں پہ ابھی ریل کی پٹری نہ بچھی
کتنے بھٹکے ہوئے راہی جنہیں منزل نہ ملی

کتنے ساحل ہیں جو کشتی کی تمنا میں رہے
کتنی بے تاب ہوائیں ہیں جہازوں کیلئے

کتنے معمار پریشاں ہیں حجابِ زر سے
عود و عنبر نہ مگر اُن کے شبستاں میں جلے

میری محبوب! مگر صرف نمائش کے لئے
اِن شفق رنگ اناروں کی ستائش کیلئے

تو نے جیون کے کلیجوں میں کئے ہیں سوراخ
نوچ کر پھینک دی اُلفت کی لچکتی ہوئی شاخ

میرا اِفلاس، ترے زر کا طلبگار نہیں
شربتِ زیست پلا، شربتِ دیدار نہیں

شری کرشن جی

شری کرشنا پہ گیت لکھوں، پڑوسیوں نے کہا ہے کو شرہ
عجیب سی کیفیت ہے دل کی شری کرشنا کا نام سن کر
خرامِ اختر کی دھیمی دھیمی زمیں پہ آواز آرہی ہے
بہت ہی مدھم سُروں میں رادھا حسین سازوں پہ گا رہی ہے
فضا میں جیسے تڑپ کے بجلی حسین تحریر لکھ رہی ہے
نگارِ شبنم ٹھہر ٹھہر کر گلوں کے موتی پرکھ رہی ہے
لہکتی سانسوں کے میٹھے سرگم بدن میں بنسی بجا رہے ہیں
کرشن کے گیسو کے عود و عنبر فضا میں خوشبو رچا رہے ہیں
چمن کی ہر اک روش سے غنچے ہوا میں رنگت گھلا رہے ہیں
ندی کے اس پار جیسے گھنگھرو حسین مطرب بجا رہے ہیں
جوان سینے پہ جیسے میرے کرشن کی تصویر کھنچ گئی ہے
کرشن کا مکھڑا نظر میں آکر لبوں پہ مستی مچل رہی ہے
زمیں کے دامن پہ جیسے رادھا خوشی کے موتی لٹا رہی ہے
گلے میں جیسے حسین مالا کرشن کے گوپی سجا رہی ہے
سمٹ کے سب جنگلوں سے آہو کرشن کے پاؤں کو چاٹتے ہیں
حسین طاؤس رقص کر کے کرشن کی بنسی کو تاکتے ہیں
کرشن کی روشن جبیں پہ جیسے حسین جھالر سجی ہوئی ہے
دھڑکتے سینے پہ جیسے رادھا حسین آنچل کسی ہوئی ہے
فضا میں سونا پگھل رہا ہے شفق پہاڑوں پہ جھک گئی ہے
افق میں دم توڑتا ہے سورج، نظر کی رفتار رک گئی ہے
کرشن کی باتوں کو سنتے سنتے مرا منوّر بھی چونک اٹھا
قلم کے بربط خموش ہو جا کہ پھر ستاروں نے راگ چھیڑا

دامن کے ستارے

تصنیف — کبیر کوثر ایم۔ اے
نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دہلی)

ترتیب — بیگم بدر سلطان
۲۴۹ اینڈریوز گنج، نئی دہلی ۱۶

کتابت — مولوی محمد ابراہیم۔ بارہ دری شیر افگن دہلی

طباعت — کوہِ نور پریس لال کنواں دہلی ۶

اشاعت — جولائی ۱۹۶۳ء

عنوان — عالیجناب رام کرشن مضطر
روزانہ ملاپ نئی دلی

قیمت — دو روپے پچیس نئے پیسے

تعداد — ایکہزار

سرورق — پی۔ ایل مدان نیشنل آرکائیوز آف انڈیا

ناشر — مکتبہ انیس ادب
انیس لائبریری، آزاد منزل
رفیقیہ اسکول روڈ بھوپال

فکرِ فردا

صندلیں ہاتھوں پہ رکھے ہوئے ماتھے کی دمک
فرقِ مظلوم سے رِستی ہوئی افشاں کی چمک
مرمریں رُخ پہ ہے بے فیض مشقّت کی جھلک

منزلِ زیست کی یہ راہ، یہ پُرپیچ ڈگر
پُر مرا رختِ سفر، گرم لہو، گرم نظر

۲

میرے مسکن پہ یہ چھائی ہوئی عشرت کی نفی
میرا کعبہ بھی یہی اور صنم خانہ یہی
میری موہوم امیدوں کا جنازہ ہی سہی

ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو بڑھانا ہے مجھے
اپنے کاشانۂ غم کو تو سجانا ہے مجھے

۳

میں جو روتا ہوں تو رونے کا صلا بھی تو ملے
میں جو پیتا ہوں تو پینے میں مزا بھی تو ملے
میں جو جیتا ہوں تو جینے کی فضا بھی تو ملے
فکرِ فردا پہ غم و دوش کو قرباں کر دوں
سب کے جینے کے لئے دہر میں ساماں کر دوں

۴

کتنے مالی ہوئے دولت کے چمن میں بیکار؟
کتنے غنچے ہوئے شاخوں کی لچک سے بیزار؟
کتنے سنولائے ہوئے پھول ہیں فردا کا مزار؟
کتنے چہروں کی رمق چند شبیہوں کا نکھار
کتنے جسموں کا لہو چند حسینوں کا سنگھار

۵

رنگ محلوں میں دہکتے ہوئے نیلم پکھراج
تیرہ و تار سیہ فام اندھیروں کے خراج
رقص کرنے کو ہے جمہور کی پایل پہ سماج
دشت و کہسار سے ظلمت کو مٹانا ہے مجھے
اَب تو موجوں سے بھی ساحل کو بچانا ہے مجھے

۶

میرے افکار سے پھوٹی ہے مسرّت کی کرن
میرے اشعار نے سینچا ہے مشقّت کا چمن
میں نے آفاق کو بخشی مہ و انجم کی لگن
عہدِ ماضی کے رواجوں کو بدلنا ہے مجھے
اپنے اسلاف کی قدروں کو پرکھنا ہے مجھے

(۷)

پلائے جمہور کی زنجیرِ رسن ٹوٹ چلی
تیرہ و تار اندھیروں کی گھٹن چھوٹ چلی
اک نئے دَور کے سورج کی کرن پھوٹ چلی
آمدِ صبح پہ تاروں کو نچھاور کر دوں
قلبِ آفاق کو ایمان و یقین سے بھر دوں

لمحاتِ عیش

دلِ حرماں نصیب تک اکثر!!
لمحۂ عیش اس طرح آئے
جس طرح کوئی بے بصر کوثر
راستہ بھول کر بھٹک جائے

میرا وطن

اے مرے ہندوستاں اے مرے ہندوستاں
راحتِ قلبِ جہاں
معنئ امن و اماں!
ہادئ کون و مکاں
مسکنِ جنّت نشاں
پرچمِ عظمت فشاں
غیرتِ باغِ جناں
اے مرے ہندوستاں اے مرے ہندوستاں

(۲)

تو ہی میری زِندگی
تجھ میں نہاں دِلبری
تجھ سے عیاں سرخوشی
تو ہی مِری شاعری
تو ہی مِری ہے غزل
تیرے لئے میں جواں
اے مِرے ہندوستاں اے مِرے ہندوستاں

(۳)

رود و جبل کا صِلا
نُورِ جمالِ گیا
حُسنِ شبِ مالوا
شامِ اودھ پُر فضا
تیرے بنارس کی صُبح
باعثِ رشکِ جہاں
اے مِرے ہندوستاں اے مِرے ہندوستاں

(۴)

عزم و جسارت مری
چشم و بصارت مری
وجہہ مسرّت مری
حرف و عبارت مری
تو ہی مری ہے زمیں
تو ہی مرا آسماں
اے مرے ہندوستاں   اے مرے ہندوستاں

(۵)

تجھ سے عقیدت بھی ہے
تجھ میں صداقت بھی ہے
تجھ سے محبّت بھی ہے
تجھ میں حلاوت بھی ہے
تجھ پہ نچھاور سبھی
قلب و نظر اور زباں
اے مرے ہندوستاں   اے مرے ہندوستاں

(۶)

مادرِ گنگ و جمن
رشتۂ خاک و گگن
قوتِ باطل شکن
عظمتِ تنظیمِ کہن
پیکرِ انوار تو
تیری زمیں آسماں

اے مرے ہندوستاں اے مرے ہندوستاں

جوانِ ہند

اے جوانِ ہند تُو وابستۂ شانِ وطن
تیری باہوں سے ہویدا حشمتِ گنگ و جمن
دوستوں کے واسطے تُو نغمۂ چنگ و رباب
دُشمنوں کے واسطے سرمایۂ گور و کفن

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا

(نئی دلّی و بھوپال)

علم کا یہ گہوارہ
عالموں کا مسکن ہے
عاقلوں کی ہے دُنیا
شاعروں کی محفل ہے
طالبوں کا یہ کعبہ!
دفتروں کا مخرج ہے
منبعِ دفاتر بھی!
علم کا یہ گہوارہ

۲

پُرکشش عمارت ہیں
پُرسکوں تجسّس ہے!
جگمگاتے کمروں میں
ڈھیر ہیں کتابوں کے
ذہن کے مناروں کی
کھڑکیوں، دریچوں سے
فلسفے برستے ہیں
منطقوں کے فوّارے
روشنی کے پرنالے
تیرگی میں گرتے ہیں
روشنی پھسلتی ہے
معدنِ بصیرت ہے
عارفوں کا مخزن بھی
علم کا یہ گہوارہ

۷۸۶

۲۰۔ تغلق کری سینٹ۔ نئی دلی

۱۱ر جولائی ۱۹۶۳ء

کبیر کوثر صاحب بھوپالی کی نظموں کا مجموعہ جو دامن کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ مجھے سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی ہر نظم میں ایک نئی زندگی پائی۔ بعض نظمیں بہت ہی مؤثر ہیں۔ ان کا تعلق بھوپال کے علمی اور عملی خاندان سے ہے۔ ایک طرف ان کا تعلق حضرت تخلص بھوپالی سے ہے اور دوسری طرف مشہور مبلّغ اور سابق پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عمران صاحب سے ہے۔

کبیر کوثر صاحب ایک ہونہار اور لائق نوجوان ہیں۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دلی میں کام کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ان کی نظموں کا مجموعہ ان کی مزید شہرت کا باعث ہوگا۔

(ڈاکٹر) سیّد محمود

(ایم۔ پی)

سابق وزیر، وزارتِ امورِ خارجہ،

حکومتِ ہند۔ نئی دلی

(۳)

فکر مند چہروں پر
گتھیوں کا قبضہ ہے
سرخ رنگ گالوں پر
علم کا سلونا پن :
دائرے بناتا ہے
دائروں میں نکتوں سے
کچھ خطوط بنتے ہیں
ان خطوں سے تاریخیں
ذہن و دل سجاتی ہیں
ذہن و دل کی رگ رگ میں
مسئلوں کا خالق ہے
علم کا یہ گہوارہ

(۴)

جابروں کی شمشیریں
حاکموں کی زنجیریں
سرگذشتِ انساں کے
کچھ طویل افسانے
اُمّتوں کی تقدیریں
باغیوں کی تدبیریں
دفن ہیں کتابوں میں
پھول بھی ہے صحرا بھی
برگ و گل کو شبنم بھی
دل شکن فسانہ ہے
زخمِ دل کو مرہم بھی
علم کا یہ گہوارہ

۵

عِلم کا یہ گہوارہ
فِکر کا سمندر ہے
اِک سکوت طاری ہے
اِک سرور چھایا ہے
سبز سبز "لانوں" پر
لہلہاتے آنچل ہیں
اجنبی نِگاہوں میں
فلسفوں کی گھاتیں ہیں
کیف زا اشاروں سے
زندگی اُبلتی ہے
نُور اور ظلمت میں
کشمکش ہویدا ہے
روشنی کے مرغولے
تیرگی مٹاتے ہیں
قوم کا ترنگا ہے
عِلم کا یہ گہوارہ

(۶)

عِلم کا یہ گہوارہ
شوخیوں کا مرکز ہے
فِکر کے تموّج میں
مدھ بھرے ترانوں کا
اک حسین دھارا ہے
قہقہوں کی بارش میں
شور بھی ہے طوفاں بھی
خامشی کا دریا بھی
درس کے تلاطم کو
علم کا سفینہ ہے
مسئلوں کا فوّارہ
حِکمتوں کا محور بھی
عِلم کا یہ گہوارہ

۷

عِلم کا حسیں مندر
قوم کے تمدّن کا
مدرسہ و مسجد ہے
مکتبوں کو رعنائی
طالبوں کو آگاہی
عالموں کو دانائی
دفتروں کو زیبائی
ذہن و دِل کو بینائی
شاعِروں کو یکتائی
خامُشی کو گویائی
دے رہا ہے برسوں سے
عِلم کا یہ گہوارہ

(۸)

عِلم کا یہ گہوارہ
نفس کی تمنّا کا
سازِ دل شکستہ ہے
سینکڑوں شرر اس میں
آج بھی ہیں پوشیدہ
باغیٔ سلاطیں کے
خونِ دل کی گردش کا
کچھ سُراغ دیتا ہے
سامراجِ یورپ کا
اِک چراغ جو گل ہے
انقلاب انساں کی
داستانِ عبرت ہے
دانشِ فرنگی کا
اک عیاں دفینہ ہے
علم کا یہ گہوارہ

(۹)

عِلم کا یہ گہوارہ
حسن ہے الورا کا
تاجِ روحِ تیموری
غارِ دیوگیری کے
اِستپا میں سانچی کے
پتھروں کے افسانے
رُخ بدل کے آئے ہیں
صورتِ خیالی میں
صد ہزار تصویریں
کاغذی شکنجوں میں
مورتیں اجنتا کی
پھر سنور کے آئی ہیں
گردشِ حوادث کا!
جبر کی کہانی کا
اَن گنت کتابوں میں
بے کراں ذخیرہ ہے
عِلم کا یہ گہوارہ

۱۰

عِلم کی حسیں دیوی
وقت کے تقاضوں کو
عُمر کے تھپیڑوں کو
سہ رہی ہے صدیوں سے
پھر بھی اس کے ہونٹوں پر
شوخیوں کی لالی ہے
عارضوں کی گُل ناری
شربتی پیالوں کی
نیند بھری سی کجلاہٹ
اَن گنت جوانوں کے
ریشمی تخیّل پر:
پُرسکون خوابوں پر
سحر بن کے چھائی ہے
عالموں کا مدفن ہے
عِلم کا یہ گہوارہ

خراجِ عقیدت

۲ / اپریل ۱۹۶۲ء کو جناب کرشن دیال بھارگو کے دوبارہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دلی میں بحیثیت ڈائرکٹر تشریف لانے پر

مرے دفتر میں پھر ایسی بہشتی چیز آئی ہے۔
درو دیوار جھکے ہیں تمنّا مسکرائی ہے
یہ کے۔ ڈی بھارگو آئے کہ دلمیں تازگی آئی
رگوں میں خون دوڑا ہے نظر میں روشنی آئی
یہ اس کی آمد آمد ہے جو سب سے پیار کرتا ہے
گُلوں کا ذکر کیا خاشاک بھی دامن میں بھرتا ہے
خرد کی کاوشوں سے علم کو راہیں دکھائی ہیں
نئی منزل سجائی ہے، نئی شمعیں جلائی ہیں
ہزاروں ہی ورق لکھے کتابِ زندگانی کے
فروزاں کر دیے جنہیں سلیقے کامرانی کے

خرامِ کلکِ رنگیں سے شگفتہ پھول برسائے
چمن کو نکہتیں بخشیں شفق کے رنگ دہکائے

قسم ہندوستاں کی جس جگہ سونا اُبلتا ہے
گگن کی چاک دامانی سے ہر سو مینہ برستا ہے

قسم اس دیش کی گیتا جہاں دل میں اتر آئی
قسم اُن جنگلوں کی جن میں سیتا نے اماں پائی

قسم ہے اُس فرشتے کی بصورت رام جو آیا
گلوں میں رہ کے جس نے خارزاروں کا مزا پایا

قسم ہے اس کرشن محترم کی جس کی بنسی نے
پریشانی میں رادھا کے لبوں کو گدگدایا ہے

قسم ہے آدمیت کی کہ تو شایانِ انساں ہے
ہمارے واسطے لیکن دوائے دردِ پنہاں ہے

شگفتہ کر دیا تو نے کتابوں سے دماغوں کو
فرشتہ ہے تو ایسا جو دکھائی دے نگاہوں کو

تحفۂ شمس و قمر

سرزمین بھوپال کے جواں سال شاعر، کبیر کوثرؔ کا مجموعۂ کلام اپنے دامنؔ میں اردو ادب کے لئے "بنارس"۔ "نکاتِ سرفرازی" اور "حدیثِ دل" جیسے ہدیۂ گوہر اور تحفۂ شمس و قمر لے کر آیا ہے۔ "نیشنل آرکائیوز" اور "میری محبوب" جیسے اچھوتے موضوع اردو شاعری میں بے بہا اضافہ ہیں۔ جن سے متاثرؔ ہو کر میں شاعر کو مبارکباد دینے پر مجبور ہوں۔

میری نیک خواہشات دامنؔ سے وابستہ ہیں۔

مظفرؔ حسن

(عالی مرتبت) وزیر ٹرانسپورٹ وغیرہم۔ اترپردیش

۱۰ر جولائی ۱۹۶۳ء

اجتہادی شاعر

اس دور میں اگر کوئی شاعر حدودِ لب و رخسار سے نکل کر زندگی کی کڑی دھوپ چھاؤں میں زندگی کے اہم مسائل کا تجزیہ اپنے اشعار میں کرے تو ہم اسے اجتہادی شاعر کہیں گے۔ کبیر کوثرؔ بھوپالی نے بھی زندگی اور ملکی مسائل کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ نئے نئے موضوعات پر خوبصورت نظمیں کہی ہیں میری دلی تمنّا ہے کہ ان کا مجموعۂ کلام قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔

عشرتؔ کرتپوری دہلی

مثالِ آئینہ ہے جو دلِ شفّاف رکھتا ہے
خرد کی روشنی سے تُو نظر کو صاف رکھتا ہے
تو اپنی پاک سیرت میں گُلوں کا حُسن رکھتا ہے
مثالِ کہکشاں افلاک کے دل میں دمکتا ہے
اُفق کی لالہ رنگی کو ورق کے ہار پہنائے
کتابوں کے کلیجوں میں کنول تو نے ہی مہکائے
اضافے کر دئے تُو نے سُنہرے پستکالوں میں
دھنک کے رنگ تُو نے بھر دئے ہیں لالہ زاروں میں
طلبگارانِ علم و فن کو تُو اک سنگِ منزل ہے
پتنگوں کو تری آواز اذنِ رقصِ محفل ہے
مورّخ کے سفینے کیلئے تُو موجِ ساحل ہے
چکوریں ڈھونڈتی ہیں جسکو تو وہ ماہِ کامل ہے
نفیس کا تُو دہ بخشا تو نے ہندی کے فسانوں کو
مُنوّر کر دیا جس نے زبانوں کے خزانوں کو

فنِ تاریخ کو تو نے نئے اوراق بخشے ہیں
جو نابینا ہیں ان کو دیدۂ مشتاق بخشے ہیں
سلیقے تیرے آفاقی ترے اطوار انسانی
فراہم کر رہا ہے تُو یہی درسِ جہانبانی

خوشا کہ درمیانِ عزّ و جاہِ تو خرامانم
نہ حرصِ کیسۂ زرّیں نہ آزِ مرتبت دارم

جی چاہتا ہے

فلک سے کوئی بھی مصیبت ہو نازل
مگر مسکرانے کو جی چاہتا ہے
جو میں دیکھتا ہوں فسردہ کسی کو
تو آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
غریبوں کے ٹوٹے مکانوں کی سوگند
کہ ہر قصر ڈھانے کو جی چاہتا ہے

حدیثِ دل

ایک دوشیزہ نے اپنی تصویر بھیجتے ہوئے شاعر سے تمنّا کی تھی کہ وہ ماضی کی خوشگوار یادوں کو دل سے محو کر دے جواب میں یہ منظوم خط شاعر نے اس کی شادی کے موقع پر ارسال کیا ہے۔

حسیں کاغذ کے پیکر میں تری تصویر آئی ہے
نگاہ و ذہن و دل کے واسطے زنجیر آئی ہے
کہ پیمانِ وفا کی اِک نئی تفسیر آئی ہے

(۲)

"نہ مِلنا اب کبھی ہم سے" تری تحریر آئی ہے
یہ جنبش ہے قلم کی یا کوئی شمشیر آئی ہے
پئے ماتم مرے در پر مری تقدیر آئی ہے

(۳)

جُدا ہو کر جُدائی کا سہارا کون ہے آخر؟
مِری صبحِ محبّت کا ستارا کون ہے آخر؟
مِری جوئے تمنّا کا کنارا کون ہے آخر؟

(۴)

تِری آمد سے اکثر دِل کی دھڑکن تیز ہوتی تھی
مقابِل تیرے چشم انتظارِ شوق روتی تھی
تِری فُرقت میں روحِ شاعرِ بیدار سوتی تھی

(۵)

تِرے گیتوں کو سُن کر کیف و سرشاری ہوا حاصل
تِری آنکھوں سے اکثر درسِ میخواری ہوا حاصل
تِری باتوں سے مُجھ کو عزمِ بیداری ہوا حاصل

۶

مجھے آخر پسِ پردہ کیا تو نے تجاہل سے
مِری دُنیا کو رنگیں کر دیا رنگِ تساہل سے
توجّہ کو مِری اور دیکھنے والی تغافل سے

۷

ترے دامن پہ دِل کے قیمتی موتی گراتا ہوں
بہت مجبور ہو کر یعنی کچھ آنسو بہاتا ہوں
اجازت دے ۔ کہ میں اپنی حدیثِ دل سناتا ہوں

۸

کبھی تنہائیوں میں عشق کی باتیں نہیں ہونگی
مِری دُنیا میں دِن ہوں گے مگر راتیں نہیں ہونگی
قسم تیری کہ تجھ سے اب ملاقاتیں نہیں ہونگی

۹

شبستانوں میں تیرے میں چلا آؤں، ہے ناممکن
تری راہوں سے ہو کر میں گذر جاؤں، ہے ناممکن
تری بخششی ہوئی جنت کہیں پاؤں، ہے ناممکن

۱۰

مبارک مجھ کو ویرانہ، تجھے شادی و آبادی
سلامت قیدِ غم مجھ کو، تجھے ہر غم سے آزادی
ترے خط کی لکیروں نے مجھے زنجیر پہنا دی

مسلکِ شاعر

مرا مسلک ہے بالائے مذاقِ دو جہاں کوثر
مجھے اس سے بھی اُلفت ہے جسے مجھ سے عداوت ہے

حدیثِ انتظار

رُوحِ نغمہ، سازِ دل زیر و زبر تیرے لئے
آفتابی، ماہتابی سیم و زر تیرے لئے
شامِ رنگیں، صبحِ تاباں، جلوہ گر تیرے لئے
رات کا سنسان عالم مُنتظر تیرے لئے
خامُشی تاروں کی نغمہ ریز ہے تیرے لئے

(۲)

مُطربِ فطرت کا سازِ دل ترنّم کوش ہے
عندلیبِ خُوش بیاں کی نغمگی میں جوش ہے
غُنچۂ نورس رہینِ منّتِ آغوش ہے
جو فضا ہے رُوح پرور، میکدہ بر دوش ہے
ساغرِ دل نُور سے لبریز ہے تیرے لئے

۳

آبشاروں کی نوائے سرمدی ہے بے قرار
شبنم افشاں ہے سحر، گلہائے زرّیں اشکبار
بدلیاں پہنا رہی ہیں ظلمتوں کو غم کا ہار
سارا عالم ہے شہیدِ اشتیاق و انتظار
دامنِ فطرت تلاطم خیز ہے تیرے لئے

۴

مسلکِ حسنِ وفا کا رس ہیں آلام حیات
یہ شفق کی احمریں رعنائیاں ہیں بے ثبات
تیرے غم میں جذب ہو کر رو رہی ہے چاندرات
ہے سراپا منتظر تیرے لئے ہی کائنات
خامشی شب کی جنوں انگیز ہے تیرے لئے

(۵)

غنچۂ نوخیز میں پنہاں جمال و دل کشی
منظرِ فردوس گویا اک بہارِ سرخوشی
مست ہو کر رقص کرتا ہے جنونِ بندگی
ہر طرف پرچم سا لہراتی ہوئی ہے چاندنی
ماہِ تاباں بھی جواہر ریز ہے تیرے لئے

(۶)

ذرے ذرے سے نمایاں ہیں جنون و اضطراب
ساغرِ ہستی میں رقصاں ارتعاش و انقلاب
کھو گئے ہیں تیرے غم میں آفتاب و ماہتاب
شاعرِ غمگیں کی دنیا بے چراغ و بے شراب
سارا عالم سوز سے لبریز ہے تیرے لئے

(۷)

زرفشاں کرنوں کے جھرمٹ میں نظر ناکام ہے
میری ہر صبحِ مُنوّر میں بھی عکسِ شام ہے
میرے دِل میں یاد تیری لَب پہ تیرا نام ہے
سُننے والے سُن کہ بس یہ آخری پیغام ہے
زندگی کا ہر نفس بس تیز ہے تیرے لئے

بیگانگیِ شوق

کیوں اے غمِ فِراق یہ کیا بات ہو گئی
تھے محوِ انتظارِ سحر، رات ہو گئی
بیگانگیٔ شوق کے قربان جائیے
بیگانگی ہی وجہِ ملاقات ہو گئی
انگڑائی اس نے لی تو چمن زار کھِل اُٹھے
لہرائی اُس نے زلف تو برسات ہو گئی

محترمہ اندرا گاندھی

(موصوفہ نے یہ دستخطی تصویر بہ مہربانی دامن کے لئے عطا کی)

نیفا کے مزار!

مہ وشانِ سادہ رُخ یہ کہہ رہے ہیں بار بار
اے جوانو! تیز کرلو اپنی تلواروں کی دھار

(۲)

گل رخوں نے زیوروں کے روپ میں حاضر کئے
گولیاں، بارود، نیزے زادِ راہ و راہوار

(۳)

دُشمنِ امن و سکوں ہیں سامراجی بھیڑئیے
توپ کی نلکوں پہ ہے تہذیبِ حاضر کا سنگھار

(۴)

سرزمینِ گوتمِ اعظم کا خونی سامراج
کر رہی ہے اب ہمالہ کی بلندی پر شکار

(۵)

اَمن ناممکن زمیں پر میرے بھارت کے بنا
چھا گئی ہے جس کے دَم سے پنچ شیلا کی بہار

(۶)

جس نے بھائی بن کے بھارت کو ہی بھالے پر لیا
کنفیوشش تیری فوجوں کی ہے یہ ہی خُوئے زار

(۷)

اَمن کا کعبہ جہاں میں ہے فقط میری زمیں
غیر کے ہاتھوں لباسِ اَمن لیکن تار تار

(۸)

باش اے دشمن کہ تیرا کر رہے ہیں انتظام
آندھیاں، شعلے، قیامت اور نیفا کے مزار

بنارس

شباب و حسن کی تصویر ہے رنگین فضاؤں میں
غنا و شعر کی تعمیر ہے شیریں نواؤں میں
نشاطِ عیش کی تنویر ہے جاتی خزاؤں میں
نسیمِ خُلد کی تاثیر ہے ٹھنڈی ہواؤں میں
بنارس کے در و دیوار سے عظمت ٹپکتی ہے
جہاں گنگا رواں ہے یہ وہی رنگیں بستی ہے

پیامِ زندگی دیتے ہیں جس کے رنگ و بو اکثر
جہاں تکمیل کرتی ہے خرد کی آرزو بڑھ کر
بڑھا کرتا ہے خورشیدِ منوّر سیم و زر لیکر
گرا کرتی ہے چشمِ برق ظلمت پر اجل بن کر
جمال و نور و رنگینی یہاں معلوم ہوتی ہے
یہاں کی سرزمیں گوہر فشاں معلوم ہوتی ہے

نمایاں ہر طرف ایوان و در پر عکسِ عُمرانی
عیاں ہے ذرّے ذرّے سے فرازِ شانِ یزدانی
رواں ہے ہر طرف آب رواں پر تابِ نورانی
زمیں پر لہلہاتی ہے زمرّد کی فراوانی
کنارِ گنگ پر سلطانِ خاور رقص کرتا ہے
مسرّت خیز لہروں پر گل تر رقص کرتا ہے

تمدّن جس جگہ اُبھرا رہا سنورا کیا برسوں
تعلّم جس جگہ ٹھہرا رہا پھیلا کیا برسوں
جہاں علمِ خُودی چھایا رہا برسا کیا برسوں
مذاقِ شاعری ڈوبا کبھی اُبھرا کیا برسوں
بنارس ارضِ بھارت پر خدا کی شان ہے گویا
فنون و علم و درس و فقر کی میزان ہے گویا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کمالِ ناز سے وقتِ سحر شبنم برستی ہے
شعاعِ مہر جب آغوشِ گنگا میں مچلتی ہے
صباحت کی ضیا و نور سے ظلمت سمٹتی ہے
تجلی سے منوّر ہو کے رنگینی سنورتی ہے
بنارس کی سحر رعنائیِ فطرت کا حاصل ہے
یہاں کا ذرّہ ذرّہ آفتاب و ماہِ کامل ہے

مثالِ غیرتِ الفردوس بنیادِ مکاں رکھ دی
بہارِ بوستاں لے کر برنگِ کہکشاں رکھ دی
حسیں نظروں کی شوخی میں کشش دامن کشاں رکھ دی
ہنرمندی سے تصویروں میں رُوحِ جاوداں رکھ دی
بنارس حُسنِ دو عالم کی رفعت کا سہارا ہے
بالفاظِ دگر شاعر کی جنّت کا ستارا ہے

فراقِ یار

میں خود ہی اپنے دِل کا غم خوار ہو رہا ہوں
سرگشتۂ خمارِ دیدار ہو رہا ہوں
اِک صورتِ خیالی تسکین دے رہی ہے
اک مست آرزو سے سرشار ہو رہا ہوں
میخانۂ جہاں پر چھانے لگیں گھٹائیں
آتی نہیں زمیں تک خورشید کی شعاعیں!
اِک نُور بن کے پھر بھی تو دل پہ چھا رہی ہے
ہاں یاد ہیں وہ تیری ساغر بکف نگاہیں
میں یاد کر رہا ہوں تو یاد آ رہی ہے!!
کس کس طرح سے دل کی دُنیا بسا رہی ہے
ٹھنڈی ہوا میں تو ہے رنگیں فضا میں ہے تو
میرے نفَس نفَس میں تو ہی سما رہی ہے

ہر سمت چھا رہی ہیں آلام کی گھٹائیں
مغموم دِل کی دُنیا موہُوم یہ فضائیں
تو کیا چلی گئی ہے، دِل کو سکوں نہیں ہے
نشتر چبھو رہی ہیں بہکی ہوئی ہوائیں

چھلئے ہوئے ہیں ہر سُو آکاش پر ستارے
پُر درد ہے جوانی، پُر سوز ہیں نظارے
سوز و الم کی تہ میں امواجِ بے لبی ہیں
لہریں پٹک رہی ہیں سر جھیل کے کنارے

بھیگی ہوئی ہیں راتیں، خاموش ہیں ہوائیں
سنسان سارا عالم، تاریک ہیں فضائیں
تنہائیوں کا ہر دم احساس ہو رہا ہے!
اب چاند بھی نہیں ہے جس سے نظر ملائیں

تجھ بن گزارتا ہوں میں رات اس طرح سے
ماہی تڑپ رہی ہو بے آب ہو کے جیسے
راہوں کو جگمگاتی اک گیت گنگناتی
اے جان و دل چلی آ کوثر کو یاد کر کے

کیوں؟

یہ ظلمت کیوں چھپا لیتی ہے دھرتی کے اجالوں کو ؟
یہ بجلی کیوں جھلستی ہے فضا کے نرم گالوں کو؟
یہ بادل کیوں ہلاتے ہیں غریبوں کے ٹھکانوں کو ؟
یہ بارش کیوں گرا دیتی ہے بوسیدہ مکانوں کو؟
یہ منعم کیوں دبا لیتے ہیں مزدوری غریبوں کی ؟
یہ فاقہ کش ہی کیوں امداد لیتے ہیں نصیبوں کی
وہ کیوں محروم ہیں روزی سے جو خود رزق بوتے ہیں؟
کسانوں پر یہ آخر ظلم کیوں دن رات ہوتے ہیں
یہ سرمائے کی محنت پر ستم آرائیاں کیسی !؟ ؟
یہ آخر نور پر تاریکیاں پرچھائیاں کیسی ؟ ؟
اگر جوشِ عمل سے ہی صبائے رزق چلتی ہے !!
تو پھر محنت کشوں کی زیست کیوں فاقوں میں پلتی ہے

یقیں دو محنتوں کے میت کیوں دن رات کہتے ہیں
کہ یہ دہقان یہ مزدور جو مغموم رہتے ہیں
اگر اپنی جوانی کی حرارت بھینٹ دے ڈالیں
تو بے شک ظلم کی یہ جرأتیں برباد ہو جائیں

ذوقِ تماشا

اپنی نظر میں ذوقِ تماشا لئے ہوئے
ہوں کیفیاتِ حسن کی دنیا لئے ہوئے

اللہ رے یادِ دوست کی میخانہ سازیاں
دل ہے نشاط و وجد کی دنیا لئے ہوئے

ساقی کی چشمِ مست کے قربان جائیے!
اک اک نظر ہے ساغر و مینا لئے ہوئے!

دل اور یہ جنونِ محبت کی وسعتیں
ذرّہ ہے اپنی گود میں صحرا لئے ہوئے

گو شہرِ کسی بزم سے آئے ہیں ہم مگر!
کچھ داغِ آرزوئے تماشا لئے ہوئے

اِنتساب

مکرّمہ و محترمہ شریمتی اِندرا گاندھی کی اُن خواہرانہ
شفقتوں کے نام جو اُفقِ ہند پر ابرِ رحمت کی طرح
چھائی ہوئی ہیں[1]

[1] انتساب کی اجازت محترمہ نے بعد ملاحظہ دامنِ رحمت فرمائی ہے۔ کبیر کوثر)

کیف بھوپالی

یہ نظم ایوانِ صدر منزل بھوپال میں مفہوم القرآن منظومہ کیف بھوپالی کے افتتاحیہ جلسے میں پڑھی گئی

اے کہ تو ہے شاعرِ جادو بیاں آتش فشاں — ایک موجِ زندگی ہر دم رواں ہر دم رواں

جسم میں سینہ تپاں دل میں دمیدہ روشنی — روشنی کے خوف سے حیران و غلطاں تیرگی

دائمی قدروں کی حامل حاملِ صد انتخاب — حرف کے سانچوں میں شعلہ بن گئی تیری کتاب

نوعِ انسانی کا مکتب، کاتبِ اسرار تو — جہل کی تاریکیوں پر بارشِ انوار تو

علم کی محفل کو تجھ سے ہے شعور و آگہی — تو ہے دانائے رموز و رمزیاتِ زندگی

تیرے ہر فقرے سے پیدا انجمن میں اک نشاط — نطق کے شعلوں کی گرمی حلقہ دارِ ارتباط

مصدرِ شعر و سخن تو معنئ چنگ و رباب — اک گلِ شاداب مانندِ فروغِ ماہتاب

دل شکستہ، دل شگفتہ، دلربا و دلخراش — ہمنشینِ صحنِ گلشن، ہمخیالِ گل تراش

گرم گفتاری سے سوچوں میں بپا عزمِ جواں — بذلہ سنجی سے خراماں قہقہوں کا کارواں

علم کے روشن نگینے ہمنوا و ہم کلام — کم سواد و نابلد بھی ہم خیال و ہم خرام

مستیوں کا بانکپن تو شوخیوں کا سنگھار — علم و فن کا موسمِ گل، عقل و دانش کی بہار

نیطشے، اقبال، سعدی، میر، غالب، برگساں — تیری ہستی میں ہیں کتنی ہستیاں جلوہ فشاں

سو کتا میں ایک جانب اور تیرا ایک باب — باریابِ خاص و عام و فیضیاب و کیف یاب
تجکو قدرت نے دیا ہے ذہن تازہ علم تیز — تیرے "مفہوم القرآن" پر میری دانش سجدہ ریز

فکر کا دریا، رفیقِ کاروانِ انقلاب
فلسفی، شاعر، نقیبِ داستانِ انقلاب

دل ویرانہ داشتم

دل را حریفِ جلوۂ جانانہ داشتم — بنیادِ کعبہ پیشِ صنم خانہ داشتم
گاہے نظر بہ جادۂ بتخانہ داشتم — گاہے جنونِ عزمِ کلیمانہ داشتم
بیگانہ ام ز رمزِ جنون در سرم ہوش — جز قربِ یار ہیچ تمنّا نہ داشتم
منّت پذیرِ پیرِ خرابات گشتہ ام — اندوہ فکرِ فردا بہ پیمانہ داشتم
من در حضورِ سادہ رخاں دم نمی زنم — در خامشی ہزارہا افسانہ داشتم
شائستہ ام نہ قربِ جمالِ پری وشاں — صد دل مشامِ گیسوئے ریحانہ داشتم

بھوپال تا کجا زعمت قلب من تپید؟؟
دریا بہ تخت من دل ویرانہ داشتم

وداعِ شام یاما

---

۱ قدم قدم پہ مُصیبت، نفس نفس میں شرار
نظر نظر سے گریزاں، خرد خرد کی شکار
رُکی رُکی سی ہے ہاتھوں میں نبض کی رفتار
۲ دبی دبی سی حرارت، گھُلے گھُلے سے اُبھار
نہ سوز میں ہی خلش ہے نہ ساز میں جھنکار
۳ نہ شاخِ گُل پہ وہ بلبل نہ اس کی وہ چہکار
جوانیوں میں شرارت، نہ عشق میں للکار
۴ چنبیلیوں میں مہک ہے نہ چاندنی پہ نکھار
نہ کیفِ بادہ و ساغر، نہ مستیوں میں خمار
۵ نہ بوئے گُل ہی چمن میں، نہ جوبنوں پہ بہار
نہ عشق ہی میں لطافت نہ رنگِ عارضِ یار
۶ نہ حُسن ہی میں ملاحت نہ شوخیوں میں سنگھار

---

۷ وہ ظلمتیں ہیں کہ ملتا نہیں سحر کا سراغ
وہ آفتیں ہیں کہ جن سے پگھل گئے ہیں دماغ
۸ نکل رہا ہے نگاہوں سے حوصلوں کا فراغ
چھپھل رہے ہیں جگر میں ستم کے داغ ہی داغ
۹ وداعِ ہوش و خرد ہے وداعِ فکر و نظر
نہ آج کوئی صلہ ہے نہ کل کی کوئی خبر
۱۰ نہ عارضوں کے اناروں پہ رنگتوں کی نمو
نہ آج زلف میں سلمیٰ کے نکہت و خوشبو
۱۱ شراب ناب نہیں ہے نہیں ہیں جام و سبو
وہ پی رہا ہوں جو آنکھوں میں آ گئے آنسو
۱۲ یہ زندگی کی بہاریں، یہ حسرتیں، یہ جنوں
اسیرِ دامِ الم کے ہیں شاہکارِ فسوں
۱۳ میں حسرتوں کے مزاروں پہ مرثیے ہی پڑھوں
اسیرِ عیش بنوں یا رہوں میں صیدِ زبوں

۱۴ فروغِ شامِ الم پر میں کیوں خموش رہوں
میں زندگی کے شراروں میں کس طرح سے جلوں
میں حادثاتِ زمانہ سے کیوں گریز کروں!
جو سُن رہا ہوں کہانی سبھی سے کیوں نہ کہوں ۱۵
کمند پھینکوں نہ کیوں خود ہی قصرِ زہرہ پر
۱۶ بناؤں کیوں مہ انجم کو ہم رہ و رہبر
غبارِ راہ کو بخشوں جمالِ مہتابی!
جمودِ غم کو سکھادوں رموزِ سیمابی! ۱۷
میں گا رہا ہوں بہت دن سے خوں فشاں نغمے
۱۸ کہ جن سے قلب کے سب تار جھنجھنا اُٹھے
قدم ملا کے چلو ساتھیو بڑھو آگے
اُداسیوں کے سمٹ جائیں گے یہ سب سائے ۱۹
ظہورِ صبحِ مسرت کے ہو گئے سادھن
۲۰ بکھر کے آگئی گوپی، سنور گئے ساجن
پگھل رہے ہیں نواؤں میں نرم نرم آہن
اُچھل رہے ہیں فضاؤں میں احمریں دامن ۲۱

٢٢ چلے ہیں دل میں لئے ہم وفا و حبِ وطن
کہاں ہے موت کی وادی، کہاں ہیں دار و رسن
نکل رہی ہے وہ خورشید کی اُفق سے کرن
٢٣ فضا میں کھل گئی نکہت، چمک اٹھا ہے گگن
چمن کے نغمہ گروں نے اٹھائے ہیں رباب
وداع ہے شامِ الم، الوداع شامِ عذاب

کیا ہوگا؟

وفاؤں کو مری تم نے بھلا ڈالا تو کیا ہوگا؟ — نشانِ راہِ منزل گر مٹا ڈالا تو کیا ہوگا
فُروزاں کر دیا جس نے مرے کاشانۂ دل کو — انہیں وہ رازِ غم میں نے سُنا ڈالا تو کیا ہوگا
دُعائے وصل مانگی تھی اُٹھا کر غیر نے جس سے — مری آہوں نے وہ دامن جلا ڈالا تو کیا ہوگا
تپش زاروں میں صحرا کے جو نقشِ پا اُبھر آیا — کسی نے دستِ نازک سے مٹا ڈالا تو کیا ہوگا
مری پلکوں کی رونق ہیں جو آنسو ہوں کہ موتی ہوں — وُفورِ غم نے اُن کو بھی بہا ڈالا تو کیا ہوگا
وہی خوشبو جو زُلفِ یار میں کوثر مہکتی ہے
بساطِ شعر میں اس کو بسا ڈالا تو کیا ہوگا

خلقِ خدا خطرے میں ہے

جاگ اے ساتھی کہ دُنیا کی فضا خطرے میں ہے
جنگ کے شُعلے اُٹھے خلقِ خُدا خطرے میں ہے

کل ہما کہ ناوکِ ظُلم و ستم کا تھا شکار
آج لیکن عظمتِ گنگ و جمن خطرے میں ہے

برق بن کر ٹوٹ جاؤ عاشقانِ رنگ و بُو
زرد خوں سے دستِ سلمیٰ کی حنا خطرے میں ہے

اے جوانو! بڑھ کے روکو سامراجی دوڑ کو
آمروں سے امنِ عالم کی بقا خطرے میں ہے

حُرمتِ یزداں کے ڈاکو پھر رہے ہیں کوہ، کوہ
مسجد و مندر، کلیسا کی بنا خطرے میں ہے

سارے عالم کو عطا کی جس نے تنویرِ بہشت
شوکتِ گوتم کے سر کی وہ ضیا خطرے میں ہے

دشمنوں کے سر کچل دو جیٹ اور نمیا رہے
آج ناقوس و اذاں کی ہر صدا خطرے میں ہے

استقبالیہ

ہمشیرہ صابرہ قدیر کی مسٹر عبد الفتاح انصاری سے شادی کے موقع پر

ہجومِ شوق نے رنگِ شفق سے جب حنا مانگی
ردائے خواب اوڑھے ملکۂ شب نے لی انگڑائی
ستارے جھلملا کر ہو گئے دربار میں حاضر
بڑھا دی کہکشاں نے تابشِ قندیل بحر و بر
دھنک نے اپنے پلّو کا فضا پر رنگ چھینکا ہے
شمیم عنبر افشاں نے گلوں پر عود چھڑکا ہے
بہاریں سر جھکا کر خود گلوں سے بات کرتی ہیں
چمن میں جتنی کلیاں ہیں مسرت سے سنورتی ہیں
تجلّی آ گئی ہے پھر سمٹ کر خیمۂ شب میں،
ستارے پھر مزیّن ہو گئے ہیں پردۂ شب میں
زمیں پر آسماں سے بارشِ الطاف و خاطر ہے
فضائے رنگ و نکہت بہرِ استقبال حاضر ہے

وداعِ شام ہے روشن ستارے مسکراتے ہیں
تمہاری آمد آمد پر خوشی کے گیت گاتے ہیں
چلے آؤ کہ آنے سے تمہارے بات بنتی ہے
ستاروں کے مقابل یعنی اک بارات بنتی ہے
سلامت ہو جبینِ شوق پر باندھا ہوا سہرا
ضیاءِ نور سے تاروں کو شرماتا ہوا سہرا
مئے عناب دمِ ڈھلتی ہو دُرِ خوش آب میں چھن کر
فضاؤں میں اُتر آئے ہو تم شامِ اودھ بن کر
جمالِ زندگی لے کر دلوں میں جلوہ گر آئے!
متاعِ جاوداں یعنی بہ عنوانِ دگر لائے
مبارک زندگی کا مدّعا لے کر چلے آئے
سلامت، دردِ دل کی تم دوا لے کر چلے آئے
کسی کے دستِ نازک کے لئے رنگِ حنا لائے
کسی کے مدھ بھرے نینوں کی بن کر تم ضیا آئے
ابد کی شام لائے مژدہ نورِ ازل بن کر
کسی شاعر کے دل میں آ گئے جیسے غزل بن کر
بہاروں کی طرح مہکو، ستاروں کی طرح دمکو
سہارا دے تمہاری ذات عالم کو دعا ہم کو

شکستِ طلسم

یہ ایک سحر آلود محل کی کہانی ہے۔ جسے طلسمی قوتوں نے ایک صدی کیلئے بے جان کر دیا تھا۔ ایک نامعلوم انگریزی شاعر کی قوتِ پرواز کا شاہکار جس کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔

---

۱ (قصرِ خوابیدہ کا ماحول)

بدلتے ہوئے روز و شب کے کرم نے
ہلوں اور ہنسیوں کے حُسنِ ستم نے
ہرے زرد کھیتوں سے دھرتی سجا دی
دھنک کے رنگوں میں حرارت بسا دی

۲ (صحنِ گلستاں)

مگر قصر شہ پر فسوں چھا چکا ہے
در و بام پر سحر لہرا چکا ہے

مندرجات

عنوان	۱	نیفا کے مزار	۴۷
دامن کے ستارے ...	۲	بنارس ۔	۴۹
انتساب	۳	فراقِ یار	۵۲
مندرجات	۴	کیوں ؟	۵۴
میری محبوب	۵	ذوقِ تماشا	۵۵
سری کرشن جی	۱۶	کیفِ بھوپالی	۵۶
فکرِ فردا	۱۷	دلِ ویرانہ داشتم	۵۷
لمحاتِ عیش	۲۰	وداعِ شام	۵۸
میرا وطن	۲۱	کیا ہو گا ؟	۶۱
جوانانِ ہند	۲۴	خلقِ خدا خطرے میں ہے	۶۲
نیشنل آرکائیوز	۲۵	استقبالیہ	۶۳
خراجِ عقیدت	۳۵	شکستِ طلسم	۶۵
جی چاہتا ہے	۳۸	نکاتِ سرفرازی	۸۱
حدیثِ دل	۳۹	بھارتی فوج کے سپاہی سے	۸۵
مسلکِ شاعر	۴۲	خراجِ محبت	۸۹
حدیثِ انتظار	۴۳	ردِّ عمل	۹۳
بیگانگیِ شوق	۴۶	پریم سکینہ	۹۴

جنوں برخیز ماضی، ۹ تعارفات ۱۰۰ ــ ۱۱۲

جہاں غنچہ و گُل میں رَس جسم چکا ہے
رگِ زندگی میں لہُو تھم چُکا ہے !!
حجَر اور شجَر کے ہوئے ماندہ سائے
فضاؤں میں جیسے دھواں تھم سا جائے
جو کھیتوں میں کچھ گوپیاں گا رہی ہیں
صدائیں یہاں تک وہ یوں آ رہی ہیں
کہ جیسے ندا گونج کر چھو رہی ہو !!
شکم میں کسی ماں کے دُرِّ صدف کو

(۳)

یہ ڈھلواں زمینیں، یہ سر سبز میداں
طلسمِ مکمّل ہے جن کا نگہباں :
خیاباں کی شفّاف جھیلوں کا پانی !
نمودِ تموّج ہوا جس میں فانی !!
دُرِ آبِ زر کا یہ روشن غوارا
اُڑا تھا جہاں سے وہیں لوٹ آیا

کیاری میں طاؤس ساکت ہے بیٹھا
سنہرے قفس میں ہے خاموش توتا
مناروں پہ جو اُڑ رہا تھا وہ پرچم
خمارِ فسوں سے کبھی کا ہوا ختم
خموشی سے لیٹی ہیں بے جان روحیں
نہائی ہوئی نرم سی روشنی میں

(۴)

(ایوانِ شاہی)

ہیں ایواں میں قصرِ شہِ ذی اثر کے
سُلگتی انگیٹھی میں بے جان شُعلے
چھتوں سے برابر جو ٹکرا رہی تھی
ابابیل بیٹھی ہے وہ پر سمیٹی
جو انڈے ہیں نیچے انہیں سے رہی ہے
مگر ان میں شمعِ بقا سو گئی ہے
ہے پوشیدہ گھونٹی حریری قبا میں
مگر سرسراہٹ نہیں کچھ ہوا میں

پتنگے بھی موجود بیشک خلا میں
مگر بھنبھناہٹ نہیں کچھ فضا میں
مشابہ ہے ہر شے زیادہ بتوں سے
سلاطینِ رفتہ کے اُن "فوٹوؤں" سے
جو تکتے ہیں کھوئی ہوئی ہستیوں کو
شبستاں میں سوئی ہوئی مستیوں کو

۵ (باورچی خانہ)

دبائی ہے ساقی نے گھٹنوں میں بوتل
مشامِ مئے سے بپوٹے ہیں بوجھل
جھکا رہ گیا منصرم کاغذول پر
قلم تھک کے رک ہی گیا دائروں پر
کنیزہ کا اک ہاتھ، ہاتھوں میں لیکر
کوئی گیت جیسے سناتا ہو نوکر
لب نیم وا پر ہے اس کے فراواں
طلب لمس کی اور بوسوں کا امکاں

اُسی خادمہ کے لبِ لعل افشاں
ہزاروں فسانے سنانے کے خواہاں
مگر اس کے عارض حیا جیسے مانگیں
دھنک کے رنگوں سے حِنا جیسے مانگیں

۶

(دربار)

خزاں کے نہ گزریں گے سو سال جب تک
مُسخّر رہے گا یہ ماحول تب تک
مہ د ہر النور کی جو برچھیاں ہیں
انہی کے لیے نیم وا کھڑکیاں ہیں
دریچوں سے چھنتی ہیں یوں بھی شعاعیں
کہ بلّوری شیشے شفق میں نہائیں
ہیں سوئے ملوئین سارے کے سارے
حصارِ طلسمی کے مارے بچارے
جمع دائرے میں ہیں سنجیدہ چہرے
امیر و شجیع مُضطرب سے ہیں بیٹھے

وجاہت ہے چہرے پہ جس کے فراواں
یقیناً ہے کوئی وہ باظرف سلطاں
لبالب ہے مینا مئے ارغواں سے
اجازت ملے کاش پیرِ مُغاں سے

۵

عمارت کے چاروں طرف جھاڑیاں ہیں
ہرے خشک پتوں کی کچھ برچھیاں ہیں
جو تنہا مُسافر کو کچھ فاصلے سے
دکھائی پڑیں قافلے جنگلوں کے
شجر اور بیلیں، ببول اور کانٹے
کنارِ اُفق پر ہیں ریشم کے بوٹے
بچھے ہیں انگور کے سبز گچھے
مئے سُرخ سے ہیں سرابور گچھے
شجر جھاڑیاں اور بیلوں کے پتے
گتھے ہیں وہ آپس میں کچھ اس طرح سے

کہ جیسے کوئی سبز چادر تنی ہے
کسی سادہ رُخ کا دوپٹہ بنی ہے
یہ احساس دیتی ہے اُن کی بُلندی
کہ اوجِ محل اُن کے آگے ہے پستی
انہی کی بُلندی کا اونچا ستارا
نشیبوں میں لایا محل کا منارا

۸ (اِحساسِ فردا)

نہ جانے یہ سو سال کب ختم ہوں گے؟
بہیں گے نئے کب خیالوں کے دھارے
جنم لے نیا علم کب کون جانے؟
نئی سوت پائے نئے کب دہانے؟
نئی روح گائے کچھ ایسے ترانے
جو انساں کی روحوں کو سچائی دیدے
جمودِ خرد کو فسوں سے جگادے
نئے وقت کے کچھ تقاضے چُکادے

دِماغوں کو عرفاں کی دولت سے بھر دے
دَفینوں کو پا لیں کچھ ایسی نظر دے
ہر اک چیز جامد ہے زورِ فُسُوں سے
کہ جیسے ہو تابعِ فرماں کسی کے
دَجا و اُداسی، سُرورِ مشقّت !!
لیے ساتھ اپنے چلی آئے قسمت
خوشا جلد آئے وہ بختِ سکندر
ہے وابستہ جس سے شکستِ فُسُوں گر

۹
(حُسنِ خُفتہ)

ہے تنہا شبستاں میں آرام فرما
نِگارِ بہاراں کہ نُورِ تجلّا
وہ برسوں سے صوفے پہ لیٹی ہوئی ہے
قیامت خموشی سے سوئی ہوئی ہے
سُنہرے، سجیلے حسیں، گلبدن کو
بہاروں میں لپٹے ہوئے اس چمن کو

چھپائے ہوئے ہے سنہری دُشالا
عیاں ہے مگر صاف ہیروں کی مالا
چمکتے ہیں رُخسار نورِ گہر سے
اندھیرے پریشاں وجودِ قمر سے
اُسی حُسنِ خُفتہ کو دونوں طرف سے
سیاہ فام ناگن سی کوئی ہے گھیرے
وہ زُلفِ دوتا بڑھ گئی دونوں جانب
مگر اس پہ انوارِ عارض ہے غالب
جو ہیروں کی مالا سے شعلے اُڑے ہیں
گھنیری سیاہ زُلف پر جم گئے ہیں

(۱۰)

ہے نیندوں میں کھویا وہ حُسنِ مُجسّم
تنفّس ہیں لیکن نہیں ہے ترنّم
لحافِ حریری پہ تارے مزیّن!
فروزاں ہوا جن سے حُسنِ مُعیّن

۷۴

سنہرے کناروں کا تکیہ سرہانے
کہیں سے ہے ابھرا کہیں پر دبا ہے
جڑاؤ مرصّع کلائی میں کنگن
طلائی زمرد کے بازو پہ جوشن
دمکتے ہیں بازو ضیائے گہر سے
صباحت فروزاں طلوعِ سحر سے
جمالِ مجسم سے ماحول روشن
بہاروں میں ڈوبا ہوا جیسے گلشن
نگارِ سحر میں اضافے کا باعث
غروبِ قمر تک اجالوں کا وارث
جو قلب و جگر پر ہے بکھری ہوئی سی
وہ مہکی ہوئی زلف جنبش سے عاری

(۱۱) (فسوں شکن)

تلاشِ صداقت میں گھر سے جو نکلے
لبِ کامرانی انہوں نے ہی چومے

محبت اسی طرح دو ساتھیوں کو
بتاتی ہے اُن کی نہاں خوبیوں کو

کہ روحیں جو بے چین سی ہوں ازل سے
ملیں گی کبھی جیسے لہریں کنول سے

چلا آرہا ہے وہ رشکِ سکندر
اُمیدوں کی دنیا لئے دِل کے اندر

بیاباں کے سینے کو وہ چیرتا ہے
چٹانوں پہ جیسے ہرن دوڑتا ہے

(۱۲)

شکستہ قسمتوں کے جو کل تک تھے خواہاں
وہ مُردہ پڑے ہیں بیاباں میں بے جاں

اُنہیں دیکھتے ہی وہ یوں مسکرایا
صدف سے گہر بن کے نکلا ہو قطرا

یہ بولا، سما کر وہ نظروں میں ڈھانچے
"یہ جہد و طلب میں شہید ہو گئے، نغے"

میری محبوب ترے زر میں وہ کس بل نہ رہے

عالیمرتبت شری مرارجی ڈیسائی وزیرِ خزانہ کابینہ حکومتِ ہند کو یہ نظم بتاریخ ۲۵ جون ۶۳ء موصوف کے منظور فرمودہ انٹرویو کے دوران سنائی گئی۔ جسے صاحبِ موصوف نے شرفِ پسندیدگی عطا فرمایا۔

جمالِ محبوب

میری محبوب، مری بزمِ اجنتا کے چراغ
گرمیٔ زر سے تری، میرا پگھلتا ہے دماغ
میرے خوابوں کی، تخیل کی مہکتی تعبیر
عہدِ ماضی کے جواں سال تصوّر کی لکیر
افقِ ذہن پہ چھائی ہوئی دل کی تنویر
معبدِ روم میں وینس کی مثالی تصویر!
تیرے لب ارضِ بدخشاں کے دہکتے ہوئے گل
تیری رفتار سے ٹھہرے ہوئے چشموں میں اُبال
تیرے گالوں کے اناروں کے ہزاروں بیمار
تیری آنکھوں کے پیالوں کا زمانہ میخوار

یہ اک ذہن میں تھی کہاوت پُرانی
"ہزاروں میں اک کو ملے کامرانی"

۱۳

نہیں اس کو معلوم منزل کہاں ہے
جبیں سے مگر عزمِ راسخ عیاں ہے
گزشتہ زمانے میں غیبی ندا نے
سفر کے زمانے میں کانوں میں اُسکے
مسلسل رہِ شوق کی رہبری کی
برابر اِسی سمت کی رہنمائی
یقینوں سے بھرپور سرگوشیاں کیں
سُطورِ کہن کو نئی سرخیاں دیں
یہ آواز تھی اس کے سازِ جنوں کی
"یقیناً تجھے قیمتی شے ملے گی۔"

۱۴

(آمد)

وہ جب جھوم کر خارزاروں سے نکلا خزاں کا جنازہ بہاروں سے نکلا!

دامن

خوشی کے اناراس کے گالوں پہ چھوٹے — فلک پر شفق کی انگیٹھی سی دہکے
جبیں سے پسینے کے پکھراج ٹپکے — سرِ شام جگنو درختوں پہ چمکے
نجانے اسے غیب نے کیا صدا دی — دبی جس نے سینے کی دھڑکن بڑھا دی
قدم سوئے منزل جب اس نے بڑھائے — چراغِ سرِ راہ خود جگمگائے

۱۵

(دیدار)

محل کے وہ صحنِ گلستاں میں آیا — بہت دور چلکر شبستاں میں آیا
دبے پاؤں اُس رُخ شبستاں کے پہنچا — جہاں حُسنِ خفتہ تھا آرام فرما!
چکوری کے مانند دل اس کا دھڑکا — دماغ اس کا قربِ تجلّی سے مہکا
وہ بحرِ تخیّل میں پھر بہہ گیا کچھ — نشاط و طرب میں وہ یوں کہہ گیا کچھ
مری جل گھنیری یہ زلفیں تمہاری — ہیں جو اتنی شب رنگ اور اتنی پیاری
تو آنکھیں جو پلکوں میں پردہ نشیں ہیں — خدا جانے کتنی سیاہ اور حسیں ہیں؟
ہجومِ تمنّا سے گھبرا گیا وہ — مئے وصل پیتے ہی لہرا گیا وہ

۱۶

(شکستِ فسوں)

لبِ لعل سے اُس نے بوسہ چرایا — کسی شوخ مصرع پہ مصرع لگایا
وہ اِک لمس جس نے فسوں توڑ ڈالا — طلسمی سمندر کا رُخ موڑ ڈالا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ہر اک شخص چھوٹا بڑا جاگ اُٹھا
جمودِ تجسّم میں ہیجان پھیلا

قدم جھوم اُٹھے نظر جھوم اُٹھی
دریچوں کے کھُلنے کی آواز آئی

بڑے زور سے مُرغ کی بانگ آئی
جو چھوٹی کرن تو فضا جگمگائی

چمن میں نسیمِ سحر لہلہائی
محل کے در و بام میں جان آئی

خروشِ سحر نے نئے گیت گائے
شبستاں نے انگڑائی کو ہاتھ اُٹھائے

صدائے طرب سے وہ ایوان گونجا
جہاں پر شہنشاہ سویا ہوا تھا

دُرِ آبِ زر کا وہ روشن فوارا
جو ساکت تھا اِک دم بلندی پہ پہنچا

محل کے کنارے جو کچھ جھاڑیاں تھیں
فسوں ٹوٹتے ہی وہ یکدم ہری تھیں

بلندی پہ جا کر اُڑا پھر وہ پرچم
خمارِ فسوں سے پڑا تھا جو پُرخم

بصد شوق ساقی نے بوتل اٹھالی
مئے ناب کی لب پہ سُرخی لگالی

اُٹھا منتظم اور لکھنے لگا پھر
قلم کاغذوں پہ پھسلنے لگا پھر

انگیٹھی کے شعلوں میں آنے لگا دم
دہکنے لگے سُرخ شعلوں کے پرچم

حریری قبا سرسرائی فضا میں
پتنگوں نے پرواز کی پھر خلا میں

ابابیل چکّر لگانے لگی پھر
نئی رُوح انڈوں میں آنے لگی پھر

کیاری میں طاؤس پھر چیخ اٹھا
سنہرے قفس میں جو توتا تھا چہکا

اُلجھنے لگا پھر کنیزہ سے خادم
دلوں میں مچلنے لگا عشقِ ظالم

رگِ زندگی نے تڑپ کر اچانک
سکوتِ محل کو جھنجھوڑا یکایک

سکوں خیز دامن سے جیون کے سوتے
زمیں کا جگر توڑ کر پھوٹ نکلے

جمودِ مسلسل کے چہرے اڑے ہیں
حیات و جہد کے فوارے اڑے ہیں

۱۷ (ایوانِ سُلطان)

مگر سب سے آخر وہ سلطان جاگا
جو ملتے ہوئے اپنے گالوں کو بولا

"قسم ہے صلیبِ مُقدّس کی یارو
مرے رُخ پہ ڈاڑھی ہے کیونکر بتادو؟

امیرو ابھی یہ کہا تھا کسی نے
کہ بس ہم ذرا دیر کو سو گئے تھے

اگر ہے حقیقت تو پھر شاہی ڈاڑھی
یہ کیوں گود میں آگئی ہے ہماری"

بہ آوازِ یک یہ سبھی بول اٹھے
کہ "جھپکی کی سی لی بعد کھانے کے ہم نے"

خدا کی قسم کھا کے سلطان بولا
کہ "سختی سے جکڑے ہوئے ہیں یہ اعضا

پھر تو یہ "بل" پاس کر دیں بتاؤ
رکھا تھا ابھی نصف گھنٹہ ہوا جو"

مگر چانسلر جو نگوں سر تھا بیٹھا
ادب سے وہ دربارِ شاہی میں اُٹھا

وہ زنجیرِ زر کو مروڑا کیا پھر
علیحدہ تبسم سے "بل" رکھ دیا پھر

رُخصت

۱۸

اُٹھی پھر وہ صوفے سے انگڑائی لیکر
بہارِ مجسم، شعاعِ منوّر!

جُھکی بازوؤں پر وہ جادو شکن کے
چلی ساتھ اس کے نکل کر محل سے

پہاڑوں کے کچھ قرمزی دائروں میں
گزرتے ہوئے دن کی گہرائیوں میں

وہ چلتے ہوئے کہساروں سے گذری
نئی ایک دنیا کی سُو، ہے جو بوڑھی

بنی ہم سفر اپنے منظورِ دل کی
ازل سے ہی جس کی رفیقِ جگر تھی

گذرتی ہوئی شوق کی رہگذر سے
مخاطب ہوئی یوں رفیقِ سفر سے

مری جاں! "یہ سچ ہے صدی ایک گذری
بہرکیف منزل کہاں ہے ہماری"

شہد اس کے کانوں میں گھولا کسی نے
خُمارِ طرب سے کہا یہ اسی نے

"مری جان و دل ساتھ میرے چلی آ
مری تو ہی منزل مرا تو ہی جادا

وہ دربارِ اعظم ہماری ہے منزل
جہاں معجزوں کی سنورتی ہے محفل"

چلے سمتِ منزل حسین قافلے سے
پہاڑوں کے پھر قرمزی دائرے سے

اُجالوں میں شمس و قمر جل رہے تھے
طلوعِ شفق سے دیئے جل رہے تھے

نکاتِ سرفرازی

ہز ہائی نس محمد گڈھ، نواب محمد صابر قلی خاں صابر کو اُن کا مندرجہ ذیل نامہ "عید مبارک" ۲۴ فروری ۱۹۶۳ء کو نئی دلی میں موصول ہونے پر یہ منظوم خط ارسال کیا گیا جو موصوف نے بھوپال میں بتاریخ ۲۶ فروری ۱۹۶۳ء بروز عید ملاحظہ فرمایا

مُبارک مُومنوں کو عید ہو اور اُس کی فرحت ہو
جہاں میں سرفرازی ہو، عروج و فتح و نصرت ہو

الٰہی گلشنِ اسلام پامالِ خزاں کب تک؟
نبیؐ کا واسطہ، ہاں بارشِ بارانِ رحمت ہو

صابر

جنابِ مُحترم میرا سلامِ شوق حاضر ہے
مُبارک آپ کو بھی عید ہو عیدوں کی فرحت ہو
جگر میں آپ کے پیدا مقامِ جہد و محنت ہو

رہے گا گلشنِ اسلام پامالِ خزاں جب تک
نہ پیدا مومنوں میں جب تلک جذبِ اُخوت ہو

مسرت میں اضافہ کر دیا مرسولِ عالی نے
دعا یہ ہے سلامت آپ کا جذبِ محبت ہو
توقع ہے کہ میں یونہی نوازا جاؤں گا اکثر
مجھے مکتوب بھیجیں آپ کو اتنی جو فرصت ہو
ملیں گر آپ کو دادا صمد تو اُن سے کہہ دیجئے
کہ خادم نے لکھا ہے "آپ پر بارانِ رحمت ہو"
مجھے افسوس ہے کہ آپ کے اشعار کی ہیئت
بدل ڈالی جنونِ شاعری میں، مجھکو عبرت ہو
مری نظروں نے دیکھا آپ کے جذبِ اُخوت کو
خدا کی سمت سے سب کو یہی جذبہ ودیعت ہو
مقام ایسا دیا ہے آپ کو قدرت نے دنیا میں
اگر چاہیں تو پیدا مومنوں میں دردِ ملت ہو

خزاں کا سحر ٹوٹے پھر سے ایسی اک شفق پھوٹے
گھروں میں سب مسلمانوں کے قرآں کی تلاوت ہو
جگر میں سوزِ قرآنی، نظر میں نورِ فرقانی
یہی اسلوبِ مومن ہو۔ یونہی وردِ شریعت ہو
ہمیں پھر کاش جینے کے وہی اطوار آجائیں
فرازِ طور سے پیدا مقامِ آدمیت ہو
مرا دل آج بھی آفاق گیری کو ترستا ہے
بنیں انساں، ہمیں اے کاش یہ جذبہ ودیعت ہو
دلوں پر ثبت ہو اس کے جلال و نور کا عالم
اسی کی مہرِ عالم تاب سے روشن سیاست ہو
زمیں پیدا اسی نے کی اسی کے مہر بھی ماہ بھی
اسی خالق کا سب کچھ ہے شریعت ہو کہ حکمت ہو
اسی نے دین بخشا ہے، وہی سوزِ عمل دیگا
ہویدا اس کی رحمت سے دلوں پر یہ حقیقت ہو

اُسی کے حکمِ رنگیں سے دھنک میں رنگ آئے ہیں
اسی کی یہ متاعِ بے بہا، دل ہو کہ دولت ہو
اُسی کے حکمِ سوزاں سے شفق میں آگ لگتی ہے
وہ چاہے آج تو جل جائے دنیا اور قیامت ہو
اسی کے حکم سے آبِ رواں پہونچی سمندر تک
اگر ہم ایک ہو جائیں تو مجکو کیوں کدورت ہو؟
اُسی کے چشتی و صابر، اُسی کے یوسف و عمراں*
اسی کی مہربانی، آپ بھی اس کی عنایت ہو
مجھے تو آپ کی ملّت نوازی پر بھروسہ ہے
حدیثِ شوق کہتا ہوں نہ گر وجہِ کدورت ہو

نکاتِ سرفرازی ہا تو اے صابر ودیعت کن
مزاجِ قوم را ہم واقفِ سرِّ معیشت کن!

---

* نئی دلی اور بھوپال کی دو مقتدر اور برگزیدہ ہستیاں

ایک شعلہ، کہ فروزاں ہے سیاہی میں کوئی
ایک بادل سا لپکتا ہوا گرمی میں کوئی

(سونے کا سنگھار)

تیرے اِس حُسنِ تپش خیز پہ سونے کا سنگھار
جیسے دہکی ہوئی آتش کے شراروں میں بہار
جیسے اِک حُسنِ جہاں سوزِ دسنتی کو تیار
جیسے صرّاف کی دوکان میں بکتا ہوا ہار
تیری زلفوں میں زمرّد کا یہ جھومر کیسا؟
جیسے اِک سانپ ترے حُسن کو ڈسنے والا
تیری پیشانی کے ٹیکے سے سلگتے ہوئے راگ
تیرے سینے پہ یہ اک ہار کہ لپٹا ہوا ناگ
تیرے کانوں میں چمکتی ہوئی بجلی کی نمُو!
قلبِ آفاق سے رِستا ہوا محنت کا لہُو
تیری اس ناک کی محراب پہ گاڑی ہوئی کیل
جیسے بازار میں اندھے نے جلائی قندیل

بھارتی فوج کے سپاہی سے

اے سپاہی ہند کی تو شان ہے اور آبرو
موت کے منہ میں بھی قائم تیرے عزم و آرزو
تیری ہستی مست رہتی ہے وطن کی آن سے
توڑ ڈالے تو نے باپو کے اشاروں پر بو
تیرا خون ہے گرم اب تک بوس کی للکار سے
کون رکھتا ہے جگر ہونے کو تجھ سے دو بدو
تیری نظروں میں ہے نہرو کی ذہانت کا خمار
تیرا عزم نوجواں سیل رواں ہے جو بجو!
تجھ میں میمونہ کی عظمت تجھ میں آندرا کا وقار
لکشمی پنڈت کا تجھ میں عزم آہن ہو بہو
تیری بانہوں میں ہے ارجن کی جوانمردی کا روپ
تیرے دل میں مہر چند کھنہ کا خوں ہے شعلہ رو

تیری رگ رگ میں ہیں ٹیپو کی شجاعت کے شرار
کانپ اٹھے تیری ہیبت سے سنا ہے شعلہ خُو
عاقلوں کی بزم میں ہیں تیری جُرأت کے بیاں
مہ رخوں کی محفلوں میں تیرے چرچے چار سُو

اور یہ خونی درندے، رہزنِ ناشرم و حیا
دشمنِ ناپاک سیرت جن کے رہبر زرد رو
جن کے دل میں دشمنی، پھر دل پہ لیکن دوستی
ہو گئے حیراں ریا سے جن کی سارے امن جو
جن کی آزادی زمانے پر مسلسل بار ہے
جن کی فوجیں دربدر، صحرا الصحرا، کوبہ کو
جن کے چہرے زرد ہیں اور جن کے دل ہیں پُر درد
آ رہی ہے جن کے منہ سے ہڈیوں کی بُو ہی بُو
موجدِ بارود خود جھلسا گئے بارود میں!!
صدیوں سے سن بہ سن، شعلہ بہ شعلہ سو بہ سو

امن کے خرمن پہ جو برقِ تپاں بن کر گرے
کس طرح دیں گے تجھے وہ اب فریبِ رنگ و بو

دشمنوں کی صف میں تو نے مُردنی سی ڈالدی
ولولوں نے تیرے بڑھایا ہے شیطاں کا لہُو

خونِ انساں اس قدر سستا ہو ارضِ ہند پر
دیکھ سکتا تھا بھلا کیسے جوانِ تند خُو ؟

چوٹیوں پر پھر ہمالہ کے بٹھا دی دھاک سی
تو نے توڑا ظالموں کے مُنہ کو ہو کر رُو برُو

جابروں کی تو نے سختی سے کلائی موڑ دی
تجھکو پینا ہے ہر اِک مغرور قاتل کا لہو

سو لڑائی جیت لے گر اہرمن تو کیا ہوا ؟
آخرش یزداں کو ہونا ہی پڑے گا سُرخ رو

اے وطن کے چاند آن نوبختی، جوانِ شیر دل
دیکھنا ہے تجھکو دشمن کے ہزاروں کاخ و کو

ہڈیوں کے فرش پر کرنا ہے پوجا رام کی
قاتلوں کے خوں سے کرنا ہی پڑے گا اب وضو

آمریت رقص کرتی ہے لہو اور آگ میں
آمریت کا بجھا دے تو چراغِ آرزو

اِن فضاؤں کو سجا دے جیٹ سے بمبار سے
ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے بازوے قاتل کے تو

—— ۱۱-۱۱ ——

نقیبِ صبحِ روشن ہی انہیں شامِ غم نکلے
صنم خانوں کے پتھر رازدارانِ حرم نکلے

بساطِ ریگ زارِ دہر پہ جو مرتسم نکلے
مہ و انجم سے بالاتر وہی نقشِ قدم نکلے

تہِ محراب و منبر کل جو آثارِ صنم نکلے
حقیقت میں وہی نقش و نگارِ طاقِ حرم نکلے

وہی موجیں وہی طوفاں وہی شورِ تلاطم ہے
اسے کیسے کہیں ساحل کہ جب ساحل پہ ہم نکلے

مرا دل ہی ترے رخ پہ حیا کی سرخیاں لایا
مری ہی انگلیوں سے تیری زلفوں کے یہ خم نکلے

بڑھے تھے جو غمِ انساں کا پرچم دوش پر لے کے
وہی گم کردۂ منزل سحابِ شامِ غم نکلے

کھٹکتا ہوں تری نظروں میں ہر دم خار کی صورت
مرا اے کاش دم نکلے کہ تیرے دل کا غم نکلے

الجھ کر رہ گئے کانٹوں میں جو تھے راہبرِ منزل
جو رہرو تھے وہی منزل سے آگے دو قدم نکلے

ریاضِ غیر کے غنچوں میں پائی سختیِ خارا
وطن کے خار بھی کوثر نخیلانِ عجم نکلے

خراجِ محبت

ایوانِ صدر منزل بھوپال میں آصف شاہمیری کی پچیس سالہ ادبی خدمات کی "سلور جبلی" منائی گئی جس میں مولانا سعید رزمی سابق وزیر تعلیم بھوپال و ایم۔ پی بابو کامتا پرشاد سابق وزیر خزانہ، ڈاکٹر شنکر دیال صاحب شرما وزیر تعلیم مدھیہ پردیش اور بیگم میمونہ سلطان ایم۔ پی کے پیغامات پڑھے گئے یہ نظم اسی موقع کے لئے کہی گئی۔

ریاض الدین احمد نے مجھے لکھا تھا یہ کوثرؔ
ادا کرو محبت کا خراج آصف کو تم آ کر
یہ سنتے ہی تخیل پہ ترنم پھول برساتا
مرے دل کے نہاں خانوں میں دوڑاتا چلا آیا
بدن میں روح لہرائی، جگر میں تازگی آئی
رگوں میں خون دوڑاتی نظر میں روشنی آئی
محبت کا سمندر دل میں لے کر میں چلا آیا
گلوں کو گل رخوں کو خارزاروں پر لٹا آیا

قصیدوں کو برنگِ نظم اپنے ساتھ لایا ہوں
نئی دلّی کی شانِ بزم اپنے ساتھ لایا ہوں

زراہِ امتثالِ امرِ یاراں حق ادا کردم
کہ امواجِ محبّت را ز بحرِ دل جُدا کردم

یہ "سلور جوبلی" آصفؔ کی آئی کہ بہار آئی
دلوں میں جان سی آئی نشاطِ دائمی چھائی

فضائے رنگ و نکہت میں ستارو نور برساؤ
سنور کر آج گوشوں سے بہار و تم چلی آؤ

چمن زارو ۔ صف آرا ہو کے اپنے پھول مہکاؤ
شعاعِ نُور پرور ۔ تم تجلّیوں کو بکھراؤ

فُروزاں اپنی قندیلوں کو ماہ و کہکشاں کر لیں
نظر میں مشعلِ خورشید اپنی شوخیاں بھر لیں

کہ "جُبلی" شہ ہے اسی کی یہ سبھی کا دم جو بھرتا ہے
فلاحِ عام کی خاطر قدم دھرتی پہ رکھتا ہے
طلبگارانِ علم و فن کو راہِ نو دکھاتا ہے
نشانِ راہِ منزل راہ رو کے کام آتا ہے

فروزاں کر دیا محراب ذہن و دل کو دانش سے
اُجالا کر دیا آصف نے ہر سو فن کی تابش سے
خرد کی شاخِ رنگیں پر معطر گل کھلائے ہیں
کفِ فلسوف پر اُس نے نئے تکمے لگائے ہیں

چمن زارِ ادب آصف کی ہستی سے منور ہے
نگارِ علم و فن اس کی مہ و انجم سے برتر ہے
وطن کے واسطے اس کو گدائی بھی گوارا ہے
اگرچہ جانتا ہے وہ روا کیا نا روا کیا ہے

حُضارِ مہربانِ صدرِ منزل گر سخن بخشند
ہمہ تصنیفِ آصف را جمالِ پیرہن بخشند

قسم ہے اس وطن کی جس کا پیوندِ زمیں ہوں میں
قسم اس سرزمیں کی جس پہ ہوں بھی اور نہیں ہوں میں
چھلکتی ہے شرابِ خلد جس کے آبشاروں میں
فراواں ہیں زمرد کے خزینے سبزہ زاروں میں
اندھیروں میں جہاں ماہِ منور کا اجالا ہے
شبِ تاریک جس کی صبحِ روشن کا مداوا ہے

سخن کی وادیوں میں دیوتاؤں کا شوالا ہے
رُخِ کوہ و جبل پر جس کے عرفاں کا اجالا ہے
قسم ہے عود و عنبر سے، مہکتی خانقاہوں کی
حسیں محلوں سے رنگیں تر کھلی آماجگاہوں کی

کہ آصفِ وسعتِ آفاق میں حق کا منارا ہے
وطن کے گیسوؤں کو اس کے شانوں نے سنوارا ہے
بقسمِ عظمتِ اقبال ادبِ فنِ تو کامل
میانِ بزمِ دانایاں ید طولیٰ ترا حاصل
جلیسانِ شعور و آگہی کو شمعِ محفل ہے
نشیبِ دل فرازِ غم میں تو اک مردِ کامل ہے
تری تقریر کی جادو بیانی کون بھولے گا؟
زبان سے نطق کی شعلہ فشانی کون بھولے گا؟
فنِ تشبیہ سے تیرے مصور نے ضیا مانگی
ترے نوکِ قلم سے دستِ سلمیٰ نے حنا مانگی
سخن تیرے کلیمانہ، ترے نکتے حکیمانہ!!
رُخِ روشن ترا جیسے ورق تقویم رہا نہ!!

ترے ہاتھوں کی جنبش رقص کے اعراف کو توڑا
ترے آہنگِ دل نے رشتۂ حسنِ غزل جوڑا

تری فکر و نظر نے وقت کے سیلاب کو موڑا
شعور و علم و دانش سے فسونِ اہرمن توڑا

شہود و منطق و علمِ خودی کا تو گوالا ہے!
ترے فن کی شعاعوں کا رخِ اردو پہ ہالا ہے

دبستانِ نشاطِ زندگی رادرسِ کارِل تو!!
خرامِ کاروانِ وقتِ نو راجرسِ منزل تو

ردِ عمل

ہم نے صحرا کی تپش خیز ہوا کو چوما
مجلسِ نغمہ و رخسار سے رخصت جو ملی

اپنے دِل میں غمِ فردا کے جلائے ہیں چراغ
محفلِ دانش و دینار سے فرصت جو ملی

پریم سکینہ

نیشنل میوزیم نئی دلّی کا اِک زندہ مجسّمہ جو نئی دلّی میں میری تجدید شاعری کا محرک بنا

—۱۱۰۱۱—

سلونی ہے صورت، اِکہرا بدن ہے
بہاروں سے کھیلی ہوئی یاسمن ہے
مجسّم خیاباں۔ سراپا چمن ہے
وہ خوشبو سے مہکا ہوا اک بدن ہے

اُسے انجمن کی نہیں کچھ ضرورت!!
وہ خود آپ اپنی جگہ انجمن ہے!!
وہ گنگا میں بہتی ہوئی اک لہر سی
وہ اک موجِ پیچاں کنارِ جمن ہے

نہیں خوشبوؤں سے اُسے واسطہ کچھ
نفس سے دہن تک مشامِ ختن ہے